رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۲۵

بتیس صفحات

ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء

الفضل

خطبہ نمبر

قادیان

روزنامہ

THE DAILY
AL FAZL, QADIAN.

تار کا پتہ الفضل قادیان

قیمت ایک آنہ

ایڈیٹر غلام نبی

نمبر ۲۲۹	مطابق ۴ اپریل ۱۹۳۶ء	یوم شنبہ	مورخہ ۱۱ محرم ۱۳۵۵ھ	جلد ۲۳

خطبہ جمعہ

خطرات سے پُر اوقات میں حکومت کی بہترین خدمات سرانجام دینے کا صلہ جماعت احمدیہ کو کیا مل رہا ہے

حکومت کے بعض افسر ہمارے امن کو برباد کرنے اور ہمیں شدید نقصان پہنچانے کے درپے ہیں

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالے

فرمودہ ۲۷ مارچ ۱۹۳۶ء

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں آج

ایک نہایت اہم معاملہ

کے متعلق خطبہ کہنا چاہتا ہوں۔ اور چونکہ اس پر بولنے کے لئے مجھے زیادہ وقت چاہیئے تھا۔ اس لئے میں نے اعلان کرا دیا تھا۔ کہ دوست ساڑھے بارہ بجے مسجد میں پہونچ جائیں۔ گو میں خود ایک بجکر چار پانچ منٹ پر پہونچا ہوں۔ لیکن میری غرض دیر کرنے سے یہ تھی۔ کہ بعض دفعہ جب تمام لوگ وقت پر نہ آئیں۔ تو دوسروں کو انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے میں دانستہ کچھ دیر کر کے آیا ہوں۔ تا سب لوگ جمع ہو جائیں۔ اور خطبہ سننے میں شریک ہو سکیں۔ گو مجھے یہاں آکر یہ محسوس ہوا ہے۔ کہ غالباً دوست وقت کے قریب قریب ہی مسجد پہونچ چکے تھے۔ اور اس احتیاط کی ضرورت نہ تھی۔

میں سب سے پہلے تو تمہیدی طور پر یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ ہماری جماعت

ایک امن پسند جماعت

ہے۔ اور ہمیں اللہ تعالٰے نے کھڑا ہی اس لئے کیا ہے۔ کہ ہم دُنیا میں امن صلح اور محبت قائم کریں۔ چنانچہ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموں میں سے ایک نام خدا تعالٰے نے

سلامتی کا شہزادہ

رکھا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس نام کی وجہ سے ہماری جماعت کبھی بھی اُن کاموں کو اختیار نہیں کر سکتی۔ جو فتنہ اور فساد کا موجب ہوں۔ پھر اس امن پسندی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ہمارے پاس بعض اور قومی وجوہ بھی موجود ہیں۔ جن کے ماتحت امن شکنی ہمارے لئے کسی صورت میں جائز نہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ ہماری مذہبی تعلیم یہ ہے۔ کہ کسی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے اس کے خلاف فتنہ و فساد کھڑا کرنا جائز نہیں ہم نے اس مسئلہ کی وجہ سے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ ہمارے اپنے بھائیوں نے اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیں کافر قرار دیا۔ بلکہ آزادی حریت آزادی کا پیغام دینے کا مدعی ڈاکٹر اقبال بھی ہمارے خلاف یہ الزام لگاتا ہے۔ کہ ہم جہاد کے خلاف تعلیم دے کر مسلمانوں کو کمزور کرنے کا موجب ہیں۔ اور دوستی کے پردہ میں انگریزوں کی دشمنی کرتے ہیں۔ پس ہمارے اس عیب اور گناہ کی تصدیق پرانے علماء نے بھی کر دی اور جدید فلسفیوں نے بھی کر دی۔ گویا مغرب اور مشرق دونوں جمع ہو گئے ہمیں مجرم قرار دینے کے لئے۔ اس بنا پر اور اس گناہ کی وجہ سے کہ کیوں ہم نے مسلمانوں کو امن پسندی کی تعلیم دی ہے۔

قوم کی مخالفت

کوئی معمولی مخالفت نہیں ہوتی۔ نہ صرف اس میں

قادیان ۲ اپریل۔ آج نیشنل لیگ قادیان کا دوسرا جلسہ نام مسٹر کھوسلہ کے فیصلہ پر تنقید کرنے کے لئے ۹ بجے رات منعقد ہوا۔ جس میں چند قرار دادیں بھی پاس کی گئیں۔ جلسہ ۱۲ بجے ختم ہوا۔ مفصل رپورٹ آئندہ

ہر قسم کا جسمانی دکھ انسان کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ دل کا دکھ بھی اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔ اسلام بے شک انسان کو بہادر بنا دیتا ہے۔ اسلام بے شک انسان کے دل میں جرأت پیدا کر دیتا ہے۔ لیکن اسلام انسان کے جذبات کو مارتا نہیں۔ بلکہ انہیں ابھارتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ خواہ کوئی بھی

حق کی مخالفت

کرے۔ اپنے ہوں یا غیر۔ مومن ان کی پروا نہیں کرتا۔ مگر اس میں بھی شبہ نہیں۔ کہ کسی فعل کی وجہ سے خواہ وہ حق کی حمایت ہی کیوں نہ ہو۔ اگر وہ اپنے عزیزوں، رشتہ داروں، اپنے ہمسایوں اور اپنے ہم قوموں سے علیحدگی اختیار کرے۔ تو طبعی طور پر اسے صدمہ ضرور ہوتا ہے۔ اور ہونا چاہئے۔ پس یہ کوئی کھیل نہ تھا۔ جو ہم کھیلے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ کہ ہم نے تمام مسلمانوں کو اپنا اس لئے دشمن بنا لیا۔ کہ ہم

فتنہ و فساد کے خلاف تعلیم

ان میں پھیلاتے ہیں۔ مگر یہ دکھ ہم نے اٹھایا یہ تکلیف ہم نے سہی۔ یہ مصیبت ہم نے برداشت کی۔ لیکن حق کو نہیں چھوڑا۔ بلکہ ہم ہمیشہ

امن پسندی کی تعلیم

لوگوں کو دیتے رہے۔ حکومت کے ریکارڈ اس کے گواہ ہیں۔ حکومت کے اعلانات اس کے گواہ ہیں۔ اور حکومت کی چٹھیاں اس کی گواہ ہیں۔ پس مذہب کی حکومت سب سے بڑی حکومت ہے۔ اور اس کے حکم کے ماتحت ہم مجبور ہیں۔ خواہ ہم میں سے بعض کا دل نہ بھی چاہے۔ خواہ بعض ہم میں سے جوش کی حالت میں اپنی عقل و خرد کو چھوڑ کر یہ ارادہ بھی کر لیں۔ کہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ کہ اس ارادہ کو عمل کا جامہ نہ پہنائیں۔

دوسری بات جو ہمیں پُر امن رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ ہمارے اور دوسری رعایا کے تعلقات ہیں۔ پہلی وجہ میں حکومت کے اور ہمارے تعلقات تھے۔ جن میں مذہب نے ہمیں پابند امن کر دیا ہے۔ لیکن دوسری وجہ وہ احکام ہیں جو رعایا اور رعایا کے آپس کے تعلقات کے متعلق ہیں۔ ان احکام میں بھی آپس میں

محبت اور پیار سے رہنے کی تعلیم

دی گئی ہے۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے۔ کہ ہم امن شکنی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ علاوہ مذہبی تعلیم کے مصلحتیں اور ضرورتیں بھی ہمیں مجبور کرتی ہیں۔ کہ ہم امن شکنی نہ کریں۔ یعنی اگر ہم میں سے کوئی کمزور شخص مذہب کی حکومت سے کسی وقت انکار بھی کر دے۔ تو وہ ضرورتاً اس بات پر مجبور ہے۔ کہ امن شکنی نہ کرے۔ اور وہ ضرورت یہ ہے۔ کہ

ہم ایک تبلیغی جماعت ہیں

ہم نے اپنا یہ فرض مقرر کیا ہوا ہے۔ اور دوسروں کو ہم اس بات کی عادت ڈالتے ہیں کہ وہ جائیں اور غیر احمدیوں کو تبلیغ کریں۔ ہم مسلمانوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہم ہندوؤں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہم سکھوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں۔ ہم عیسائیوں کو بھی تبلیغ کرتے ہیں۔ اور اسی طرح ہر اس قوم کو ہم تبلیغ کرتے ہیں۔ جو ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ اب

ایک تبلیغی جماعت کے لئے

یہ بالکل ناممکن ہے۔ کہ وہ لوگوں سے لڑے۔ کیونکہ اگر وہ لڑے تو تبلیغ نہیں کر سکے گی۔ اگر ہم اپنے افعال کی وجہ سے مسلمانوں کو برانگیختہ کر دیں۔ اگر ہم اپنے افعال کی وجہ سے ہندوؤں کو برانگیختہ کر دیں۔ اگر ہم اپنے افعال کی وجہ سے سکھوں کو برانگیختہ کر دیں۔ اور اگر ہم اپنے افعال کی وجہ سے عیسائیوں کو برانگیختہ کر دیں۔ تو ہمارا تبلیغی میدان ہمارے لئے کوتاہ رہ جاتا ہے پس اگر ہم میں سے کوئی شخص اس مذہبی حکم کا قائل نہ بھی ہو۔ تو بھی

تبلیغی ضرورتوں کی وجہ سے

وہ اس بات کے لئے مجبور ہے۔ کہ غیر جماعتوں سے اچھے تعلقات رکھے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ہم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں۔ جو اس کی خلاف ورزی کرنے والا نہیں۔ ہر قوم میں اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں۔ اور برے بھی۔ اور برے لوگوں کو روکنا کوئی آسان بات نہیں۔ ہماری جماعت میں بھی بعض لوگ ایسے ہیں۔ جو

بعض دفعہ تقریروں کے ذریعہ یا تحریروں کے ذریعہ سخت کلامی

کرتے ہیں۔ مگر وہ سخت کلامی یا تو کسی انتہائی غفلت کی حالت میں ہوتی ہے۔ یا عادتاً ہوتی ہے۔ اور جو شخص عادتاً سخت کلامی کرتا ہے۔ وہ بھی اپنی عادت کی وجہ سے نہ مذہب کو یاد رکھ سکتا ہے۔ نہ مصلحتوں اور ضرورتوں کو۔ یا بعض دفعہ منافق سخت کلامی کرتے ہیں۔ اور ان کی اصل غرض جماعت کو بدنام کرنا ہوتی ہے۔

پس ہمیشہ یہ

تین قسم کے لوگ

ہی جماعت میں سے سختی کرتے ہیں۔

لیکن ہمارا رویہ ان کے متعلق ہمیشہ یہ رہا ہے۔ کہ ہم ان کی باتوں پر گرفت کرتے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر غفلت سے سخت کلامی ہو۔ تب بھی ہم گرفت کرتے۔ اور

اصلاح کی کوشش

کرتے ہیں۔ اور اگر عادتاً سخت کلامی ہو تب بھی ہم گرفت کرتے اور اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی منافقت سے کرے۔ تب بھی اسے سمجھایا جاتا یا اخبار والوں سے کہا جاتا ہے۔ کہ وہ کیوں ایسے لوگوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ جن کی اصل غرض ہم پر الزام قائم کرنا ہے۔ ان استثنائی صورتوں کے علاوہ

ہماری جماعت کا عام رویہ

یہ ہے۔ کہ ہم دوسری قوموں کے متعلق ادب اور احترام کے مقام پر کھڑے ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں۔ کہ کسی دوسری قوم کا دل نہیں دکھانا چاہئے۔ ہمارے ہاں کثرت سے ایسی مثالیں موجود ہیں۔ جبکہ دوسروں کے ہاں ایک بھی مثال موجود نہیں۔ کہ جب ہم میں سے کسی نے غیر اقوام کے متعلق

سخت کلامی

کی۔ تو ہم نے اسے ڈانٹا اور سزا دی۔ اس وقت تک تین رسالوں کو میں اسی جرم میں ضبط کر چکا ہوں۔ اور کئی دفعہ اخبارات والوں کو ڈانٹ چکا ہوں۔ بلکہ اخباروں میں اس کا ذکر بھی آ چکا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کوئی دوسری قوم اپنے میں سے ایک بھی ایسی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ بلکہ دوسری قوموں میں جب کسی سے غلطی ہو جاتی ہے تو وہ ہمیشہ اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتی ہیں۔

گذشتہ پندرہ بیس سال کی تاریخ

دنیا میں موجود ہے۔ اس پر غور کر کے دیکھ لو۔ جب کسی اور قوم کے کسی فرد نے اس قسم کی غلطی کی۔ یعنی غیر مذاہب والوں کے متعلق سخت کلامی کی تو آیا اس قوم کے لوگوں نے بحیثیت قوم اس کے متعلق اظہار ناراضگی کیا؟ اس میں شبہ نہیں۔ کہ بعض افراد یا بعض شہروں نے ان پر اپنی ناراضگی اور نفرت کا اظہار کیا۔ مگر وہ بحیثیت جماعت نہ تھا۔ بلکہ بحیثیت افراد تھا۔ اگر سارے ہندوستان کے ہندوؤں میں سے کسی ایک شہر کے ہندوؤں نے کسی ہندو کے فعل پر اظہار نفرت کر دیا۔ یا کروڑوں مسلمانوں میں سے کوئی ایک شخص ایسا کھڑا ہوا جس نے کسی مسلمان کی سختی کے خلاف آواز بلند کر دی۔ تو یہ جماعت کا فعل نہیں کہلا سکتا۔ بلکہ افراد کا فعل ہے۔ لیکن ہماری طرف سے ہمیشہ ایسی سختی کے خلاف جو قوموں میں منافرت پیدا کرنے والی ہو۔ من حیث القوم آواز اٹھائی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ یا خلیفہ وقت کی طرف سے اس کے خلاف اعلان ہوتا ہے۔ یا صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اس کے خلاف اعلان ہوتا ہے۔ جس کا اعلان ساری جماعت کا اعلان سمجھا جاتا ہے۔ زید اگر اعلان کرتا ہے۔ کہ فلاں نے غلطی کی۔ تو بکر کہہ دیتا ہے۔ کہ میں اس غلطی کو تسلیم نہیں کرتا اس کے مقابلہ میں جماعت کا امام جب اعلان کرے۔ کہ فلاں شخص نے غلطی کی۔ تو کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس نے غلطی نہیں کی۔ گویا یہ

نفرت کا اظہار

ساری جماعت کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس اس معاملہ میں جو طریق اختیار کیا ہے۔ اگر باقی جماعتیں بھی وہی طریق اختیار کرتیں۔ تو کبھی ہندوستان میں فساد نہ ہوتے۔ مثلاً اگر ایک ہندو کے قلم سے کسی غلطی کی وجہ سے مسلمانوں کے بزرگوں کے [illegible] نازیبا الفاظ لکھے گئے ہوں۔ اور

ساری ہندو قوم

اس سے نفرت کا اظہار کرے۔ تو آئندہ کسی کو یہ جرأت نہ رہے کہ وہ مسلمانوں کے متعلق دلآزار کلمات استعمال کرے۔ اور نہ ہی اس حرکت کا مسلمانوں کے دلوں میں کوئی غصہ رہے۔ اسی طرح اگر مسلمانوں کی طرف سے کوئی ایسی حرکت ہو کہ ان میں سے کوئی فرد دوسری کسی قوم مثلاً ہندوؤں کے بزرگوں کی ہتک کرے۔ اور پھر یہ بات مسلمانوں کے علم میں لائی جائے

اور وُہ اس کے خلاف اظہارِ نفرت کردیں۔ تو اُس مسلمان کی بھی اصلاح ہوجائے۔ اور ہندوؤں کا غصہ بھی بالکل فرو ہو جائے۔ کیونکہ آخر جب کوئی مسلمان یا ہندو ایک کتاب لکھتا ہے۔ تو اس کی غرض اس سے یہ ہوتی ہے۔ کہ لوگ اسے خریدیں۔ اور پڑھیں۔ لیکن جب وُہ یہ دیکھے۔ کہ غیروں نے تو اسے خریدنا نہیں۔ کیونکہ اس میں ان کے خلاف سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور اپنے اس پر اظہارِ نفرت کر رہے ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ اس کتاب کی اشاعت بند ہو جاتی ہے۔ اور آئندہ کے لئے اسے یہ حوصلہ نہیں رہتا۔ کہ وُہ کوئی منافرت انگیز تحریر شائع کرے۔ چنانچہ بعض مسلمانوں کی طرف سے مذہب کے متعلق جب بعض ایسی کتابیں لکھی گئیں۔ جو قابلِ اعتراض تھیں۔ اور مسلمانوں نے ان کے خلاف آواز اٹھائی۔ تو ان مصنفین نے خود اپنے ہاتھ سے وُہ کتابیں جلا دیں۔ اس کی مشہور مثال

مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کی کتاب امہات الامہ

ہے۔ جب یہ پہلی دفعہ چھپی۔ اور مسلمانوں نے اس کے خلاف شور مچایا۔ تو اس کے مصنف نے خود اسے جلا دیا۔ اب پھر دوبارہ چھپی تو مسلمانوں کے آواز اٹھانے پر اُسے چھاپنے والوں نے جلا دیا۔ تو اگر قوم متفقہ طور پر کسی کی سخت کلامی کے خلاف اظہار نفرت کرے۔ تو مصنفین کو یہ جُرأت ہی نہیں رہتی کہ وُہ دوسروں کے متعلق دل آزار کلمات استعمال کریں۔ کتابیں لکھنے والے مال دار نہیں ہوتے بلکہ اکثر غریب ہوتے ہیں۔ اور جب وہ دیکھتے ہیں۔ کہ کتاب چھپوا کر انہیں مالی لحاظ سے بھی گھاٹا رہا۔ اور دوسری طرف نہ قوم میں عزت رہی۔ نہ غیروں پر اثر رہا۔ تو وُہ

اپنی غلطی کا اقرار

کر لیتے۔ اور اس طریق کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر یہی طریق ہندو اختیار کرتے۔ اگر یہی طریق عیسائی اختیار کرتے اور اگر یہی طریق دُوسری اقوام اختیار کرتیں۔ تو نہ کسی قانون کی ضرورت تھی۔ نہ حکومت کے انتظام کی ضرورت تھی۔ نہ بدنظمی پیدا ہوتی۔ نہ بدمزگی واقعہ ہوتی۔ نہ شور اور فساد پیدا ہوتا سب بھائی بھائی بن کر رہتے۔ اور فتنہ و فساد سے مجتنب رہتے۔ لیکن چونکہ دُوسرے مذاہب۔ اور

دوسری اقوام کی طرف سے یہ طریق اختیار نہیں کیا جاتا۔ اس لئے آپس میں بغض اور کینہ بھی ترقی کرتا رہتا ہے۔ لیکن ہماری جماعت ہمیشہ امن کے قیام کے لئے اس قسم کی حرکات پر سختی سے نوٹس لیتی۔ اور ان کے انسداد کی پُوری کوشش کرتی ہے۔

پھر تبلیغی ضرورتوں کے علاوہ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے۔ جو قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر خاص زور دیا ہے۔ کہ دنیا کی

تمام قوموں کے بزرگ خدا تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ دُنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ اس تعلیم کے بعد کس طرح ممکن ہے کہ ہم دوسری اقوام کے بزرگوں کو بُرا بھلا کہہ سکیں۔ چونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام کے باہر کوئی نبی نہیں آسکتا تھا۔ اس لئے صرف سکھوں کا سوال رہ جاتا تھا۔ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دیا۔ کہ اُن کے بانی

حضرت باوا نانک صاحب ایک مسلم بزرگ تھے

اور جو بزرگ اور ولی اللہ ہو۔ اس کے خلاف کوئی احمدی اپنی زبان کس طرح کھول سکتا ہے جب ہم حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک ولی اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ تو ان پر الزام لگانے اور ان کی عیب شماری کرنے کے یہ معنے ہونگے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے دوست بھی نعوذ باللہ بُرے ہوتے ہیں۔ اور چونکہ بُروں کے دوست ہی بُرے ہوا کرتے ہیں۔ اس لئے حضرت باوا نانک صاحب کی عیب شماری کرنے کے یہ معنے ہونگے۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں۔ پس اس تعلیم کے ماتحت جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں دی۔ ہم مجبور ہیں۔ کہ گو حضرت باوا صاحب کو نبی نہ سمجھیں۔ مگر ولی اللہ اور خدا رسیدہ انسان ہونے کی حیثیت میں ان کا ادب اور احترام کریں۔ اور کوئی ایسا لفظ استعمال نہ کریں۔ جو ان کی شان کے خلاف ہو۔

پس ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر سے صرف ایک ہی قوم باہر رہ جاتی تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قوم کے بانی کے متعلق بھی ثابت کر دیا۔ کہ وُہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے اور اس طرح ان کے متعلق بھی

ادب اور احترام کے جذبات

رکھنے پر ہم مجبور ہیں۔ مگر کسی قوم کے ایسے لیڈر جو نہ نبی ہیں۔ نہ ولی۔ ان کے متعلق بھی ہماری شریعت یہ حکم دیتی ہے۔ کہ ہم انہیں بُرا بھلا نہ کہیں۔ اور اگر ہم ان کو گالیاں دیں۔ تو ہم خود اس بات کے محرک بنتے ہیں۔ کہ وُہ ہمارے بزرگوں کو گالیاں دیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا ایک نہایت ہی لطیف مثال میں ذکر فرمایا:۔

آپ نے ایک دفعہ صحابہؓ سے کہا۔ بہت ہی ملعون وُہ شخص ہے۔ جو اپنی ماں کو گالی دے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کوئی شخص اپنی ماں کو کس طرح گالی دے سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ جب کوئی شخص کسی دوسرے کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ اور وُہ جواب میں اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔ تو گویا یہ اپنی ماں کو آپ گالی دیتا ہے

تو ہمارے مذہب کی تعلیم یہ ہے۔ کہ بانیانِ مذاہب کے علاوہ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ جن لوگوں کو تم نبی اور رسُول۔ یا خدا رسیدہ نہیں سمجھتے۔ ان کا بھی احترام کرو۔ اور انہیں گالیاں مت دو۔ بے شک

جائز تنقید کا دروازہ کُھلا ہے

ان کی غلطیوں کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اُن کے سامنے اچھی بات پیش کرنے کی ممانعت نہیں۔ کیونکہ اگر اس کی اجازت نہ ہو تو تبلیغ نہیں ہو سکتی۔ لیکن سخت الفاظ کی اجازت نہیں۔ سوائے اس کے کہ جوابی رنگ میں ہوں۔ اور میں بارہا بتا چکا ہُوں۔ اور اس خطبہ کے شروع میں بھی اشارہ کر چکا ہوں۔ کہ ہم نے عملاً ان باتوں کو کر کے دکھا دیا ہے۔ حکومت کے بارے میں کیسے کیسے خطرناک حالات میں سے ہم گزرے ہیں۔ مگر کس صفائی کے ساتھ نہ صرف حکومت کے خلاف کسی قسم کی بغاوت میں حصہ لینے سے ہم نے اپنے آپ کو بچایا۔ بلکہ دُوسروں کو بھی محفوظ رکھا۔ آج اگر حکومت بھُول گئی ہو۔ تو بھُول جائے۔ کیونکہ بعض لوگوں کا حافظہ خراب ہوتا ہے اور وُہ باتوں کو پوری طرح یاد نہیں رکھ سکتے۔ مگر اب بھی قریباً وُہ سب افسر موجود ہیں۔ جو ۱۹۱۴ء کی لڑائی کے ایام میں موجود تھے۔ وُہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے مخالف جذبات کو دبا کر ان دنوں کو یاد کریں جب ۱۹۱۴ء میں لڑائی شروع تھی۔ اور سوچیں کہ ۱۹۱۴ء میں ان کے قلب کی کیا کیفیت تھی۔ اور کس طرح وُہ

وفاداری کے بھوکے نظر آتے تھے۔ اس دن کس طرح حقیر سے حقیر انسان بھی جو ان کی مدد کے لئے ہاتھ بڑھاتا تھا۔ اُسے ادب اور احترام کے مقام پر بٹھانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔

۱۹۱۴ء کا انگریز

کس طرح اپنے ملک کی عزت کو خطرے میں گھرا ہُوا پاتا تھا۔ اُس دن بے شک کہنے کو اخبارات میں یہ اعلان ہوتے رہتے تھے۔ کہ ہم بالکل محفوظ ہیں اور ہماری طاقت دُشمن کی طاقت سے بہت زیادہ ہے لیکن انگلستان کے بڑے بڑے جرنیلوں نے تو اب کتابیں لکھ کر اصلی حالات کو طشت از بام کر دیا ہے۔ اور ان میں ان تمام واقعات کا ذکر ہے جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ وُہ چار سال انگلستان والوں کے لئے عذاب کے چار سال تھے۔ کئی موقع ایسے آئے جب انگلستان یہ محسوس کرتا تھا۔ کہ آج وُہ اپنی آزادی کو کھو دینے کے لئے بالکل تیار بیٹھا ہے۔ انگلستان کے لیڈر یہ محسوس کرتے تھے۔ کہ قوم کی عزت اس وقت اتنے خطرے میں ہے کہ بالکل ممکن ہے وہ اسے ہمیشہ کے لئے کھو بیٹھیں۔ یہ خطرناک دن آئے۔ اور اُن دنوں میں چھوٹی سے چھوٹی امداد کے بھی وُہ محتاج ہُوئے۔ ان دنوں پر غور کر کے اور ان واقعات کی یاد تازہ کر کے حکومت کے افسر سمجھ سکتے ہیں۔ کہ ہماری جماعت نے کس جُرأت کس دلیری۔ کس بہادری اور کس مردانگی کے ساتھ

مخالف حالات میں حکومت انگریزی کی مدد

کی۔ لیکن کیا ہم نے اس کا کوئی بھی بدلہ لیا۔ ہم نے اس کا ایک شمہ بھر بھی بدلہ نہیں لیا۔ اور نہ لینا چاہتے ہیں۔ مگر کیا ہم یہ حق نہیں رکھتے۔ کہ کہیں۔ کہ ہمیں وہ برطانوی انصاف دیا جائے جس برطانوی انصاف کی امید میں ہماری جماعت نے جانیں دیں۔ پھر جنگ میں جب فتح ہوئی۔ تو کوئی سر بنا۔ کوئی نواب بنا۔ کسی کو مربعے ملے کسی کو نوکریاں ملیں۔ اور کسی نے کسی طرح کا اعزاز حاصل کیا۔ اور کسی نے کسی طرح کا۔ مگر کیا ہم نے بھی بحیثیت جماعت گورنمنٹ سے کوئی مطالبہ کیا؟ یا کیا ہمیں بھی گورنمنٹ کی طرف سے کوئی معاوضہ دیا گیا۔ اس میں شبہ نہیں۔ کہ بعض افراد سے حکومت نے اچھا سلوک کیا۔ مگر ہماری خدمات دو طرح کی تھیں۔ ایک وُہ خدمات تھیں۔ جو من حیث الافراد تھیں۔ اور ایک وُہ خدمات تھیں۔ جو من حیث الجماعت تھیں۔ جو خدمات من حیث الافراد تھیں۔ ان میں بے شک بعض احمدیوں کو گورنمنٹ نے اعزاز دیا۔ اسی طرح جس طرح کہ اس نے اور لوگوں کو اعزاز دیا۔ لیکن ہزاروں احمدی ایسے تھے۔ جنہوں نے مرکز کے ذریعہ حکومت کے لئے قربانیاں کیں۔

اور ان کی قربانیوں کا کوئی صلہ گورنمنٹ نے نہ ان احمدیوں کو دیا۔ اور نہ مرکز کو دیا۔ نہ مرکز کی یہ خواہش تھی۔ کہ اسے صلہ ملے۔ اور نہ اب خواہش ہے۔ کہ اسے صلہ دیا جائے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ ان قربانیوں کا صلہ وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جو آج ہمیں دیا جارہا ہے۔ کسی وقت انگریز بلجیم پر حملہ کرنے کی وجہ سے جرمن سے حقارت کرتے تھے۔ اور کہتے کہ اس نے بلجیم کے پرانے معاہدہ کو توڑ دیا۔ اور اسے سکریپ آف پیپر کی حیثیت بھی نہ دی۔

میں بھی ان حکام سے جو اس وقت پنجاب میں متقرر ہیں۔ کہتا ہوں۔ کہ کیا وہ پبلک چٹھیاں جو ہماری خدمات۔ وفاداری اور امن پسندی کے متعلق برطانوی حکام کی ہمارے پاس موجود ہیں۔ سکریپ آف پیپر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بے شک ہم ان کے بدلے کسی انعام کے طالب نہیں مگر ہم اس بات کے طالب ضرور ہیں۔ کہ ہمیں امن دیا جائے۔ مگر افسوس کہ وہ

امن ہمیں نہیں دیا جارہا

پھر خلافت کا سبب جھگڑا ہوا۔ اس وقت بھی انگریزوں کو خطرناک مشکلات درپیش تھیں۔ جنگ کے بعد انگریز کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ جنگ کے دنوں میں شورش اس ہیجان کی وجہ سے جو ملک میں پیدا ہو گیا تھا۔ دب گئے تھے۔ لیکن جنگ کے بعد ان کی طاقتیں معاً ابھر آئیں۔ ادھر آپس میں دل پھٹ چکے تھے۔ اور لوٹ کے حصوں کو اڑانے کا شوق ایک دوسرے کے

حقوق کو تلف کرنے پر آمادہ

کر رہا تھا۔ ۱۹۱۸ء کا فرانس وہ فرانس نہیں تھا۔ جو ۱۹۱۴ء کا تھا۔ ۱۹۲۰ء کا بلجیم وہ بلجیم نہیں تھا۔ جو ۱۹۱۴ء کا تھا۔ ۱۹۲۰ء کا اٹلی وہ اٹلی نہ تھا۔ جو ۱۹۱۴ء یا ۱۹۱۵ء کا تھا۔ کیونکہ وہ ایک سال بعد جنگ میں شامل ہوا۔ اسی طرح امریکہ ۱۹۱۹ء میں وہ امریکہ نہ تھا۔ جو ۱۹۱۸ء کے شروع میں تھا۔ دلوں میں بغض پیدا ہو چکا تھا۔ لوٹ کے شوق میں ایک دوسرے کے حقوق کو پامال کیا جارہا تھا۔ اور ایک دوسرے کے خلاف سخت شکائتیں پیدا ہو چکی تھیں۔ پھر لڑائی کے بعد قدرتی طور پر جوری ایکشن یعنی ردعمل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے خود اپنی رعایا میں بھی بے چینی اور بد دلی پیدا ہو گئی تھی۔ اس وقت

انگریزی حکومت کی کمزوری

اس امر سے بآسانی سمجھی جاسکتی ہے۔ کہ تباہ شدہ روس جس کا ملک تفرقہ اور فساد سے بھرا ہوا تھا۔ جس کے اندر کوئی نظام نہ تھا۔ جس کے پاس کوئی طاقت نہ تھی۔ اس کے چند مزدور لیڈر جو نہ جنگ سے واقف تھے۔ نہ سیاست سے آگاہ۔ انہوں نے آرچیل کے مقام پر انگریزی فوجوں کو بری طرح زک دی۔ یہاں تک کہ انگریزوں کو اپنی فوجیں واپس بلانی پڑیں۔ اسی زمانہ میں ترک وہ ترک جن کا ملک تقسیم ہو چکا تھا۔ وہ ترک جن کا بادشاہ قیدیوں کی طرح تھا۔ وہ ترک جن کے توپخانے اتحادیوں کے قبضہ میں تھے۔ وہ شکست خوردہ ترک اپنے سینے تان تان کر انگریزی اور فرانسیسی فوجوں کے سامنے اکڑے ہوئے اور آخر

لارڈ کرزن کے ذریعہ

ایک معاہدہ ہونے کے بعد انگریزی فوجوں کو واپس آنا پڑا۔ انگریز اس وقت ساز و سامان میں کمزور نہ تھے۔ دولت میں کمزور نہ تھے۔ لیکن انہیں نظر آرہا تھا کہ آج چاروں طرف پھوٹ ہے۔ اور ہمارا ساتھ دینے کے لئے کوئی تیار نہیں۔ اس زمانہ میں وہ ہندوستان جس میں تینتیس ۳۳ کروڑ کی آبادی ہے۔ اس کے باشندوں میں ایک سرے سے لیکر دوسرے سرے تک

حکومت انگریزی کیخلاف

آگ لگ چکی تھی۔ ہندو سوراجیہ کا مطالبہ کرتے تھے۔ مسلمان خلافت کا شور مچا رہے تھے۔ اور کوئی جماعت من حیث الجماعت انگریزوں کے ساتھ نہ تھی۔ ایسے خطرے کے وقت میں جب اپنے اور پرائے سب گھبرا رہے تھے۔ سوائے جماعت احمدیہ کے اور کونسی جماعت تھی۔ جس نے من حیث الجماعت انگریزوں کا ساتھ دیا۔

مجھے یاد ہے جب

رولٹ ایکٹ پر شور

اٹھا۔ تو میں نے اپنی جماعت کے لوگوں کو ارد گرد کے دیہات میں بھیجا۔ کہ وہ وہاں کے رؤسا اور بڑے بڑے لوگوں کو اکٹھا کر کے قادیان میں لائیں۔ تا میں انہیں نصیحت کروں۔ کہ وہ اس فتنہ و فساد میں حصہ نہ لیں۔ بعض خود غرض لوگ ہم میں اور سکھوں میں ہمیشہ لڑائی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن بعض پرانے اور بڈھے سکھ جو ہمارے خاندان کی پرانی روایات اور ان کے اثر سے واقف تھے۔ انہوں نے یہ نہ سمجھتے ہوئے کہ میں انہیں کیوں بلا رہا ہوں۔ مجھے کہلا بھیجا۔ کہ ہم ضرور آئیں گے۔ اور اگر آپ اس موقعہ پر اپنے

خاندان کی پرانی عظمت قائم

کرنا چاہیں۔ تو ہم آپ کا پورا پورا ساتھ دینگے اس وقت انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کا جذبہ اس قدر ترقی کر چکا تھا۔ کہ قریب کے گاؤں ٹھیکری والہ سے جو بالکل جاہل گاؤں ہے۔ ایک کثیر تعداد پستولوں کی پکڑی گئی تھی۔ کچھ لوگ وہاں پستولوں سے چاند ماری کی مشق بھی کیا کرتے تھے۔ جب یہ رؤسا آئے۔ اور میں نے مسجد میں جمع کر کے انہیں نصیحت کی۔ کہ آپ انگریزوں کے خلاف شورش میں حصہ نہ لیں تو وہ بھوکے بھیڑیے کی طرح ہمارے آدمیوں سے لڑتے تھے۔ مگر ہم نے انہیں سمجھا بجھا کر اور منتیں کر کے اس ارادہ سے انہیں باز رکھا۔ اور علاقہ میں شورش پیدا نہ ہونے دی۔ پھر یہاں ہی نہیں سارے پنجاب میں ہم نے لوگوں کو بھیجا۔ اور امن قائم کیا۔ وہ وقت ایسا خطرناک تھا۔ کہ اگر ذرا آگ لگ جاتی۔ تو انگریز مصنف یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ

حکومت انگریزی کو شدید صدمہ

پہونچتا۔ اس موقعہ پر ہم نے گالیاں سنیں۔ ماریں کھائیں۔ لیکن حکومت سے غداری نہیں کی۔ بلکہ پورے امن سے رہے۔ اور دوسروں کو امن سے رہنے کی تلقین کی۔ لیکن کیا اس کا یہی صلہ ہے۔ جو آج ہمیں دیا جارہا ہے۔ ہمارے جذبات اس وقت دوسرے مسلمانوں سے کم نہیں تھے۔ خلافت ترکیہ کے گو ہم قائل نہیں مگر

اسلامی حکومتوں کی ترقی کی امنگیں

ہمارے دلوں میں دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ بلکہ ہم نے تو کبھی اس بات سے انکار نہیں کیا۔ کہ اسلامی حکومت کے قیام کے سب سے زیادہ خواب ہمیں ہی آتے ہیں۔ اور خواب آنا تو لوگ وہم سمجھتے ہیں۔ ہمیں تو الہام ہوتے ہیں۔ کہ

اسلامی حکومتیں دنیا میں قائم کی جائینگی

پس ہمیں کتنا دکھ ہوتا تھا یہ دیکھکر کہ انگریزی حکومت ہم ہی سے قربانیاں لینے کے بعد ترکوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہے۔ ہمارے دل بھی زخمی تھے۔ اور ہمارے دلوں سے بھی یہ دیکھ کر خون بہہ رہا تھا۔ کہ صرف ایک قابل ذکر اسلامی حکومت دنیا میں باقی تھی مگر افسوس کہ اسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا جارہا ہے۔ لیکن باوجود اس کے کہ ہمارے جذبات سے کھیلا گیا۔ ہم نے امن قائم رکھنے کی پوری کوشش کی۔ اور کسی ایسی حرکت کو پسند نہ کیا۔ جس سے حکومت کے لئے مشکلات پیدا ہوں

میرے جذبات کی شدت کا ثبوت

اس سے مل سکتا ہے۔ کہ میں نے انہی دنوں مسلمانوں کے سامنے یہ بات پیش کی تھی۔ کہ اگر آپ لوگ پُرامن طریق سے کوشش کریں۔ اور اس پر زور نہ دیں۔ کہ ترکوں کا بادشاہ سب مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ صرف یہ کہیں۔ کہ اکثر مسلمان ان کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن باقی مسلمان بھی ان کو واجب الاحترام تسلیم کرتے ہیں۔ تو میں پچاس ہزار روپیہ اور اپنے تمام بیرونی مبلغ آپ کو اس غرض کے لئے دینے پر تیار ہوں۔ کہ وہ ترکوں کی حمایت میں پروپیگنڈا کریں۔ آج ہماری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت بڑی ہوئی ہے۔ اور اسکی مالی حالت پہلے سے اچھی ہے۔ لیکن ۱۹۱۹ء میں تو بہت ہی کمزور حالت تھی۔ اس زمانہ کے پچاس ہزار روپے آجکل کے تین چار لاکھ روپے کے برابر ہیں۔ مگر مسلمانوں نے میری تجویز منظور نہ کی۔ اور گاندھی جی کے نان کوآپریشن کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ لیکن اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے

کہ مجھے حکومت ترکیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا کتنا شدید صدمہ تھا۔ مگر باوجود ان جذبات کے میں نے امن کا طریق اختیار کیا۔ اور اس وجہ سے مجھے مسلمانوں سے گالیاں بھی سننی پڑیں۔ آج لوگ کہتے ہیں۔ کہ آپ کا یہ مشورہ صحیح تھا۔ اور باوجود اس کے کہ مسلمان لیڈروں کے ہاتھ میں میرا ٹریکٹ پہونچا۔ اور وہ خط بھی جس میں یہ تجاویز تھیں۔ مگر وہ کہتے ہیں۔ ہمیں یاد نہیں۔ کہ آپ کی طرف سے ہمیں کوئی ٹریکٹ اور خط ملا ہو۔ اگر ٹریکٹ اور خط پہونچ جاتا۔ تو کوئی وجہ نہ تھی۔ کہ ہم آپ کا مشورہ قبول نہ کرتے۔

یہ زمانہ گزرا۔ تو اس کے بعد بھی بیسیوں مواقع ایسے پیش آئے۔ کہ اگر دوسری جماعتوں کو وہی مواقع پیش آتے۔ تو وہ کبھی صبر سے کام نہ لیتیں۔ اور ضرور خونریزی تک نوبت پہنچ جاتی۔ مثلاً شہید گنج کے موقعہ پر جامع مسجد میں پولیس اندر داخل ہونے سے گھبراتی ہے۔ مسلمانوں کا ڈکٹیٹر علے الاعلان تقریریں کرتا ہے۔ اور سپاہی ڈرتے ہیں۔ کہ ہم مسجد میں کس طرح جائیں۔ وہ مسلمانوں کا مقدس مقام ہے۔ لیکن

ہمارے مقدس مقام میں دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کیا گیا

گورنمنٹ دوسری اقوام کے مقدس مقامات میں بھی تو ایک مرتبہ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ کر کے دیکھے اسے پتہ لگ جائے گا۔ کہ وہاں خونریزی ہوتی ہے یا نہیں۔ مگر ہم نے ان تمام باتوں کو برداشت کیا اور میں نے اپنی جماعت کے لوگوں کو سختی سے روک کر اُن کے دلوں کا خون کر دیا۔ اس لئے کہ ہماری جماعت کی یہ روایت قائم رہے۔ کہ ہم امن پسند ہیں۔ پھر ان تمام حالتوں میں ہمارا رویہ جہاں ایک طرف حکومت کے لئے پُر امن رہا۔ وہاں ملک سے بھی دوستانہ رہا۔

بنگال میں انارکسٹ

انگریزوں کے خون سے کھیل رہے تھے۔ ہم نے اپنے خرچ پر انارکسٹوں کی اصلاح کے لئے وفد بھیجے اور ان کا نہایت مفید اثر ہوا۔ اور اب جو بنگال میں کام کرنے والے مسلمان موجود ہیں۔ ان سے متعلق تحقیق کر کے دیکھ لیا جائے کہ اب ان کے کیا خیالات ہیں اور ایک دو سال پہلے ان کے خیالات کیا تھے۔ ہمارے مبلغوں کی اس وقت کی رپورٹوں سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کس طرح انہیں سمجھا سمجھا کر درست کیا گیا۔ اور ان کے خیالات کو دُور کرنے کی کوشش کی گئی۔ بلکہ خود حکومت کے انگریز افسروں سے پوچھا جا سکتا ہے۔ کہ ہم نے کن حالات میں انارکسٹوں کی اصلاح کا کام کیا۔ جو حالت اس وقت انگریز افسروں کی تھی۔ اس کا پتہ اس سے لگ سکتا ہے۔ کہ ہمارا ایک آدمی جو انارکسٹوں کی اصلاح کے لئے مقرر تھا وہ ایک دفعہ ایک مشہور ضلع کے انگریز ڈپٹی کمشنر سے ملنے گیا۔ ابھی ایک منٹ ہی اسے بات کرتے گزرا تھا۔ کہ یکدم وہ یہ سُن کر حیران رہ گیا۔ کہ وہ انگریز ڈپٹی کمشنر اس سے کہہ رہا ہے۔ ہینڈز اپ۔ یعنے ہاتھ کھڑے کر دو۔ یہ الفاظ عموماً اس وقت کہے جاتے ہیں۔ جب کوئی چور۔ ڈاکو۔ یا قاتل سامنے آجائے۔ اور یہ خیال ہو۔ کہ وہ حملہ کر دے گا۔ اس وقت فوراً پستول دکھا کر اور ہینڈز اپ کہکر اس کی تلاشی لی جاتی ہے۔ اس بے چارے نے بھی حیران ہو کر ہاتھ اونچے کر دیئے۔ اور ڈپٹی کمشنر نے پستول سامنے رکھ کر اس کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ جب تلاشی کے بعد کوئی چیز نہ نکلی۔ تو اس نے پوچھا۔ آپ نے تلاشی کیوں لی تھی۔ وہ کہنے لگا۔ میں نے سمجھا۔ تم کوئی انارکسٹ ہو۔ بعد میں دوسرے موقعہ پر ایک اور انگریز افسر جو فوج میں کرنیل تھا۔ اسے اپنے ساتھ لے کر ڈپٹی کمشنر کے پاس گیا۔ اور اس نے بتایا۔ کہ یہ تو بغاوت کے مٹانے کے لئے یہاں کام کر رہا تھا۔ آپ اس سے گھبرا کیوں گئے۔

یہ زیادہ دُور کی بات نہیں۔ قریب کے عرصہ میں یہ واقعات ہوا کرتے تھے۔ مگر ہم نے ان واقعات کو دُور کرنے کی کوشش کی۔ اور خدا تعالےٰ کے فضل سے بہت حد تک کامیاب ہوئے۔ اس کے ساتھ

ہمارا رویہ اپنے ملک کے ساتھ

بھی ہمدردانہ رہا۔ کیونکہ ہم نے مجرم نہیں پکڑوائے بلکہ ان کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ اور جب ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ کوئی شخص باغیانہ خیالات رکھتا ہے۔ تو ہم نے اس کے خیالات کو دُور کیا ہے۔ چنانچہ کئی انارکسٹ تھے۔ جنہوں نے ہماری کوششوں کی وجہ سے اپنے خیالات کو بدل دیا۔ ہماری جماعت میں بھی بعض لوگ موجود ہیں۔ جو پہلے انتہا پسند تھے۔ مگر سمجھانے کے بعد ان کی اصلاح ہو گئی۔ اور وہ جماعت میں شامل ہو گئے۔ پھر ایسے بھی لوگ ہیں۔ جو اگرچہ ہماری جماعت میں شامل نہیں۔ مگر اس قسم کے خیالات سے انہوں نے ہماری وجہ سے توبہ کر لی۔ تو ہمارا جہاں یہ طریق ہے۔ کہ ہم ملک سے فتنہ و فساد دُور کرتے ہیں۔ وہاں ہمارا یہ کبھی طریق نہیں ہوا۔ کہ ہم مجرموں کے نام گورنمنٹ پر ظاہر کریں۔ اور انہیں پکڑوانے کی کوشش کریں۔ سارے سلسلۂ خدمات میں صرف ایک شخص کا نام ہم نے گورنمنٹ کے سامنے پیش کیا ہے۔ اور وہ بھی اس لئے کہ وہ ہندوستان میں نہیں تھا۔ بلکہ ہندوستان سے باہر کسی اور ملک میں تھا۔ اور ہم اس کو سمجھا نہیں سکتے تھے۔ وہ

حکومت انگریزی کے خلاف ایک بہت بڑی سازش

کر رہا تھا۔ جب اس کے نام سے حکومت کو اطلاع دی گئی۔ تو پہلے تو فارن سکرٹری نے اپنی بے بسی کا اقرار کیا۔ لیکن آخر اس حکومت کی معرفت جس میں وہ رہتا تھا۔ اسے وہاں سے نکال دیا گیا۔ جہاں سے وہ حکومت کو نقصان پہونچا سکتا تھا۔

غرض ہم نے حکومت برطانیہ کی مدد کے ساتھ اس امر کا بھی ہمیشہ خیال رکھا ہے۔ کہ اپنے اہل ملک کی بھی خیر خواہی کریں۔ اور کبھی جاسوسی کا کام نہیں کیا۔ جس شخص کا میں نے ذکر کیا ہے۔ کہ اس کا معاملہ استثنائی ہے اس کے بارہ میں بھی ہم اس لئے مجبور ہو گئے کہ ہم اس کو سمجھا نہیں سکتے تھے۔ ورنہ ہمارا یہ اصول ہے۔ کہ اصلاح کی کوشش کرتے ہیں۔ نہ کہ نقصان پہونچانے کی۔

یہ چند مثالیں ان بہت سی خدمات کی ہیں۔ جو ہم نے حکومت کے فائدہ کے لئے کی ہیں۔ مگر نہ تو حکومت نے ہماری قدر کی۔ اور نہ قوم نے ہماری قدر کی۔ حالانکہ نہ ہم نے کبھی ملک سے غداری کی۔ اور نہ حکومت کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی۔ اور اس کے خلاف بغاوت کا راستہ اختیار کیا۔ مگر باوجود اس کے حکومت نے بھی ہمیں بُرا سمجھا۔ اور قوم نے بھی۔ پس ہر منصف مزاج انسان اگر انصاف سے دیکھے تو اسے ہماری امن پسندی کے جذبات کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ ہمیں

گزشتہ دو سال کے عرصہ سے نہایت ہی تلخ تجربہ

ہو رہا ہے۔ اور کسی ایسے قصور کی وجہ سے جس کا ہمیں علم نہیں۔ ہمارے خلاف بعض حکام کارروائیاں کر رہے ہیں۔ ہم نے بہت کوشش کی۔ کہ کسی طرح پتہ لگے۔ ہمارا جرم کیا ہے۔ مگر ہمیں جرم کا پتہ نہیں لگا۔ اس لئے کہ جب حکومت کے افسروں سے ملاقات کی جاتی اور ان سے دریافت کیا جاتا ہے۔ تو وہ کہہ دیتے ہیں ہم تو ناراض نہیں۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ جب وہ ناراض نہیں۔ تو یہ کارروائیاں کیوں ہو رہی ہیں۔

پھر بعض باتیں جو لوگ بتاتے ہیں۔ وہ اتنی مضحکہ خیز ہیں۔ کہ انہیں ماننے کے لئے طبیعت تیار ہی نہیں ہوتی۔ مثلاً پچھلے دنوں لاہور کے ایک اخبار میں دہلی کے ایک نامہ نگار کا ایک مضمون چھپا تھا کہ

ہز ایکسی لنسی گورنر پنجاب

احمدیوں سے اس لئے ناراض ہیں۔ کہ ان کے تقرر سے پہلے احمدیوں نے سر ہنری کریک کے متعلق گورنر بننے کی کوشش کی۔ اور ان کے لئے پنجاب میں لوگوں سے دستخط لئے۔ یہ اتنی مضحکہ خیز بات ہے۔ کہ اس کو ناراضگی کی وجہ قرار دینے کیلئے دل تیار نہیں۔ کیونکہ اگر آپس میں اختلاف ہو بھی جائیں۔ تو یہ ہم تسلیم نہیں کر سکتے۔ کہ اختلاف کے بعد دوسرے کی ذہانت اور قوت فکر بھی کم ہو جاتی ہے۔ پس اول تو کوئی فہیم انسان اسے ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب میں یہ دیکھتا ہوں۔ کہ واقعات اس کے بالکل الٹ ہیں۔ جو ظاہر کئے گئے ہیں۔ تو اس بات کا مضحکہ خیز ہونا اور بھی زیادہ نمایاں صورت اختیار کر لیتا ہے۔ میں نے اس واقعہ کا کبھی اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں بعض لوگوں پر حرف آتا ہے۔ لیکن اب جبکہ ایک اخبار میں یہ واقعہ چھپ چکا ہے۔ میں مجبور ہوں۔ کہ اس واقعہ کو بیان کر دوں۔ واقعہ یہ ہے۔ کہ دو تین جگہ سے مجھے اطلاع ملی۔ کہ بعض لوگ جن کے نام میں ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ منٹگمری۔ امرتسر۔ اور ایک اور ضلع کے لوگوں سے سر ہنری کریک کی تائید میں دستخط کرا رہے ہیں۔ تا ایک میموریل بھیجا جائے۔ کہ آئندہ گورنر سر ہنری کریک کو مقرر کیا جائے۔

سر ہنری کریک

ان افسروں میں سے ہیں۔ جن کو ہماری جماعت سے بہت قریب کے زمانہ سے تعلق پیدا ہوا ہے۔ پہلے پہل شملہ میں ۱۹۳۱ء میں میری ان سے ملاقات ہوئی۔ جب آپ وہ پنجاب گیا ہے میں نے ہمیشہ انہیں ایک صاف گو دوست پایا۔ اور جب کبھی ان سے کوئی کام پیش آیا۔ مجھے نہیں یاد کہ انہوں نے ہمیں کبھی مایوس کیا ہو جاتی دفعہ انہوں نے مجھے جو چٹھی لکھی۔ اس میں انہوں نے صاف طور پر تسلیم کیا ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کی وفاداری اور امن پسندی کا ان کے دل پر گہرا اثر ہے۔ اور یہ امر ان کی تمام عمر کے تجربہ سے ثابت شدہ ہے۔ مگر سر ہنری کریک سے بھی پہلے ہم موجودہ گورنر صاحب کو جانتے تھے۔ ان کے تعلقات بھی ہمارے ساتھ دوستانہ تھے۔ جب یہ پنجاب میں

لاہور کے ڈپٹی کمشنر

تھے۔ جو وقت بھی ہمارے ان سے اچھے تعلقات تھے۔ گورنمنٹ آف انڈیا میں گئے۔ تب بھی ہم نے انہیں کبھی اپنا بدخواہ نہیں پایا۔ ایسی صورت میں افراد کو مد نظر رکھتے ہوئے ادھر ذہن منتقل ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ ہم ایک کی تائید کرتے۔ اور دوسرے کی مخالفت لیکن ایک بات ایسی تھی۔ جس کی وجہ سے اس میں دخل دینا ہمارے لئے ضروری تھا۔ اور وہ یہ کہ اس وقت

بڑے بڑے انگریز افسروں کے متعلق

ہندوستان کے لوگوں کے دلوں میں یہ احساس پایا جاتا ہے۔ کہ وہ جنبہ داری نہیں کرتے۔ اور نہ ان میں پارٹیاں ہوتی ہیں۔ اب اگر دستخطوں کا مرض پھیل جاتا۔ تو پنجاب کے زمیندار طبقہ کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جاتا۔ کہ انگریزوں میں بھی پارٹیاں ہوتی ہیں۔ اور وہ بھی انصاف اور عدل کے ماتحت تقرریاں نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں بھی ایک دوسرے کی طرفداری کی جاتی ہے۔ اور اس طرح انگریزی حکومت کو پنجاب میں اتنا نقصان پہونچتا۔ کہ کانگرس بھی اتنا نقصان حکومت کو نہیں پہونچا سکی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ ہندوستان پر انگریزوں کی فوجیں حکومت نہیں کر رہیں۔ بلکہ انگریزوں کا رعب حکومت کر رہا ہے۔ اور انگریزی فوجوں کے متعلق تو یہ حقیقت درست ہے۔ جو ایک کانگرسی نے کہی۔ کہ ۳۳ کروڑ ہندوستانی تو تھوک تھوک کر سپاہیوں کو بہا سکتے ہیں۔ اور واقعہ میں اس میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر لوگ مرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو ۳۳ کروڑ اتنی بڑی تعداد ہے۔ کہ وہ انگریزی فوجوں کا بخوبی مقابلہ کر سکتی ہے۔ مگر وہ مرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور اس لئے تیار نہیں۔ کہ انگریزوں کا دلوں پر رعب ہے۔ پس

انگریزی حکومت کی تقویت

نوجوان کے ذریعہ نہیں۔ بلکہ اس کے قومی کیریکٹر انصاف اور رعب کی وجہ سے ہے۔ اور یہ چیز ایسی ہے کہ باوجود انگریزوں کو زبان سے گالیاں دینے کے جب اس قوم کی مخالفت کا وقت آتا ہے۔ لوگ یہ کہہ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کہ خبر نہیں دوسری حکومت اس سے اچھی ملے یا نہ ملے۔ جس دن یہ خیال لوگوں کے دلوں سے اٹھ گیا۔ جس دن یہ رعب لوگوں کے قلوب سے جاتا رہا۔ کہ انگریزی حکومت کا انصاف اور قومی کیریکٹر مضبوط ہے۔ اس دن نہ انگریزوں کی توپیں کام آئیں گی۔ نہ فوجیں کام آئیں گی۔ بلکہ انہیں اپنا بوریا بستر باندھ کر اپنے ملک کو جانا پڑے گا۔ جرمنی سے بھی توپیں وغیرہ لے کر اس کو بے دست و پا کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ تھا بلجیم بھی اسے گھور لیتا تھا۔ مگر آج یورپ کی آدھی طاقتیں ایک طرف جرمنی کو تیوڑی چڑھا کر دیکھتیں۔ اور دوسری طرف چھلانگ لگا کر دو قدم پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔ کہ کہیں جرمن تھپڑ نہ مار دے۔ بالکل اسی طرح جس طرح بلیاں آپس میں لڑتی ہیں پہلے ایک بلی غرغر کرتی ہے۔ پھر چھلانگ لگا کر پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ جرمن بھی نہتہ تھا۔ مگر جب اس قوم کے افراد نے کہا۔ ہم اب ذلت برداشت نہیں کر سکتے۔ اور اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر میدان عمل میں نکل کھڑے ہوئے تو

انگریزوں اور فرانسیسیوں

کی توپیں دھری کی دھری رہ گئیں۔ اور انہوں نے خود توپیں اور بندوقیں بنا کر دکھا دیں۔ پس قوم جس دن تیار ہو جاتی ہے۔ اس دن کوئی طاقت اس کے ارادوں میں مزاحم نہیں ہو سکتی۔ اور قوم کے تیار ہونے کے یہ معنی ہیں۔ کہ اس قوم کے افراد جو فوجوں میں ہوں۔ وہ بھی خلاف ہو جائیں جو عہدوں پر ہوں وہ بھی خلاف ہو جائیں۔ اور سب مل کر مقابلہ کریں۔ ایسی صورت میں تھوڑی سی انگریزی فوج بھلا کیا کر سکتی ہے۔ لیکن کیوں لوگ انگریزوں کا مقابلہ نہیں کرتے۔ اس لئے کہ وہ دلوں میں سمجھتے ہیں۔ انگریز انصاف کو پسند کرتے ہیں۔ یہ لوگوں کا یقین ہے۔ جو انگریزی حکومت کو تقویت دے رہا ہے۔ ورنہ انگریزوں کی فوجیں ان کی حکومت کو تقویت نہیں دے رہیں پس اگر

دستخطوں کی وبا

تمام پنجاب میں پھیل جاتی۔ تو انگریزی دبدبہ پر ایک کاری ضرب لگتی۔ اور لوگ یہ سمجھتے کہ انگریزوں میں بھی تفرقہ ہے۔ وہ بھی جتھہ بازی کے مرتکب ہیں۔ اور ان میں بھی انصاف قائم کرنے کی روح نہیں رہی۔ میں نے جب اس خبر کو سنا۔ تو مجھے سخت رنج ہوا۔ میں جانتا تھا۔ کہ سر ہنری کریک ایک نہایت ہی شریف انسان ہیں۔ اور ان کا اس فعل میں دخل نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف بعض لوگوں کی چالاکی ہے۔ جو اس طرح اپنی مقبولیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے میں نے اس خبر کے معلوم ہونے پر درد صاحب کو سر ہنری کریک کے پاس بھیجا۔ اور ان کو کہلا بھیجا کہ آپ ہمارے دوست ہیں۔ اور آپ کی مدد کرنا قدرتی طور پر ہمیں مرغوب ہے۔ لیکن

پنجاب کے بعض حلقوں میں

ایک ایسا کام ہو رہا ہے۔ جس سے آپ کو تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ مگر آپ کی قوم کو نقصان پہنچیگا کیونکہ آخر لوگوں کے دستخطوں پر تو حکومت نے گورنر کا انتخاب نہیں کرنا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کو علم بھی نہ ہوگا۔ اور

انگریزوں کا رعب پنجاب سے مٹ جائیگا

کیونکہ عوام یہ خیال کریں گے۔ کہ انگریزوں کے بڑے بڑے آدمی بھی آپس میں لڑتے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو ہم اس تحریک کو دیکھیں۔ اور اسے دبانے کی کوشش کریں۔ میں جانتا تھا۔ کہ پنجاب کے بعض لوگوں کا یہ فعل سر ہنری کریک کے منشاء کے خلاف ہے۔ بلکہ اس کا انہیں علم بھی نہیں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ انہوں نے کہا مجھے اس بات کا کچھ علم نہیں۔ اور میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔ اگر آپ ان لوگوں کا مقابلہ کریں۔ اور انہیں روکیں۔ چنانچہ مختلف جگہوں پر ہم نے آدمی مقرر کئے۔ اور انہوں نے لوگوں کو سمجھایا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہ تحریک دب گئی۔ کیونکہ عموماً ایسی تحریکات کو چلانے والے کمزور دل کے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ اور جونہی انہیں معلوم ہو۔ کہ ان کا راز فاش ہونے والا ہے۔ وہ دب جاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے جو ہوا۔ اس کے ہوتے ہوئے میں یہ کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا۔ کہ ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب پر اس بات کا کوئی اثر ہو۔ یہ بالکل بچوں کی سی بات ہے۔ اور خطبہ میں میں نے اس لئے اس واقعہ کا ذکر کر دیا ہے۔ کہ

سر ہنری کریک بھی اس واقعہ کو پڑھ لیں

اور گواہ رہیں۔ کہ میں نے اس واقعہ کو صحیح طور پر پیش کیا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ درد صاحب نے مجھے جو کچھ آکر بتایا۔ اس میں کوئی غلطی نہ تھی۔ ممکن ہے جو لوگ سر ہنری کریک کی تائید میں دستخط کرا رہے تھے۔ انہوں نے جب دیکھا ہو کہ ان کی سازش کا راز فاش ہو گیا ہے۔ تو انہوں نے ہمارا نام لے دیا ہو۔ اور کہہ دیا ہو۔ کہ احمدی دستخط لے رہے تھے۔ اس کو میں ماننے کے لئے تیار ہوں لیکن اس امر کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ ہز ایکسیلنسی گورنر پنجاب پر اس کا کوئی اثر ہو پس واقعہ جو ہے وہ اس کے بالکل الٹ ہے جو بیان کیا جاتا ہے۔ ہم نے سر ہنری کریک کی تائید میں دستخط نہیں کرائے۔ بلکہ ان دستخطوں کو رکوایا۔ اور سر ہنری کریک تک بات پہونچائی۔ کیونکہ یہ محض بعض لوگوں کی چالبازی تھی۔ جو چاہتے تھے کہ اپنے لئے ترقی کی کوئی راہ نکالیں۔ مگر انہوں نے اپنی ترقی کے شوق میں یہ نہ سوچا۔ کہ وہ انگریزی حکومت کی جڑوں پر تبر رکھ رہے ہیں۔ پس میں آج اس راز کو کھول دیتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی یہ کہہ دیتا ہوں۔ کہ میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کہ ہز ایکسیلنسی کی طبیعت پر اس واقعہ کا کسی رنگ میں کوئی اثر ہو۔

پھر کیا بات ہے

اور کس جگہ سے یہ امر شروع ہؤا ہے۔ اس کا ہمیں آجتک علم نہیں ہو سکا۔ بعض لوگ بتاتے ہیں۔ کہ پنجاب گورنمنٹ سے شروع ہؤا۔ اور نیچے آیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ نیچے سے شروع ہؤا۔ اور اوپر گیا۔ اور بعض یہ کہتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ آف انڈیا سے نیچے آیا۔ مگر بہر حال کہیں سے یہ بات شروع ہوئی نتیجہ یہ ہے۔ کہ متواتر ایسی تدبیریں اختیار کی جاتی ہیں۔ جن کا مقصد یہ ہے۔ کہ جماعت کا امن برباد کیا جائے۔ اور اس کی طاقت کو توڑا جائے۔ یہ تو میں بارہا بتا چکا ہوں۔ کہ

ہماری جماعت کو توڑنے کی کسی میں ہمت نہیں

یہ وہ کونے کا پتھر ہے۔ کہ جو اس پر گرا۔ وہ بھی ٹوٹا۔ اور جس پر یہ گرا۔ وہ بھی چکنا چور ہؤا۔ اگر حکومت کے کسی افسر کا یہ خیال ہے۔ کہ وہ احمدیت کو مٹا سکتا ہے۔ تو یہ بالکل ناممکن بات ہے وہ افسر مجھکو نقصان پہونچا سکتے ہیں۔ جماعت کے ہر شخص کو فرداً فرداً نقصان پہونچا سکتے ہیں حتی کہ وہ ہمیں مار بھی سکتے ہیں۔ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام صلیب پر لٹکائے گئے۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام قتل کئے گئے۔ تو ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں۔ کہ ہمیں حکومت قتل نہیں کر سکتی۔ یا نقصان نہیں پہونچا سکتی۔ خدا تعالےٰ نے حکومت کو جو طاقتیں دی ہیں۔ ان کے ماتحت وہ ایسا کام کر سکتی ہے چاہے وہ جائز ہو۔ یا ناجائز۔ مگر جماعت میرا نام نہیں۔ جماعت زید کا نام نہیں۔ جماعت بکر کا نام نہیں۔ بلکہ جماعت اس تعلیم کا نام ہے۔ جسے زید۔ بکر۔ عمر و خالد کسی کے ہاتھوں اللہ تعالےٰ نے ساری دُنیا میں پھیلانا ہے۔ اس چیز کو مٹانے کی کسی میں طاقت نہیں۔ اور عقلمند انسان تو اتنی سی بات سے ہی اس نتیجہ پر پہونچ سکتا ہے کہ مٹنے والی تحریکیں ہمیشہ ہی ایک جگہ محدود ہوتی ہیں۔ اگر ہم پنجاب میں محدود ہوتے تو گورنمنٹ پنجاب میں محدود ہونے کی وجہ سے کوئی خیال کر سکتا تھا۔ کہ وہ ہمیں مٹا دے گا۔ مگر ہم تو ساری دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ پھر پنجاب کے حکام دُنیوی اصُول کے ماتحت بھی کس طرح خیال کر سکتے ہیں۔ کہ جماعت احمدیہ کو وہ مٹا سکتے ہیں ؞

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ایک دفعہ مردم شماری کا حکم دیا۔ مردم شماری کی گئی۔ تو پتہ لگا۔ کہ سات سو مسلمان ہیں اس پر صحابہؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ۔ آپ نے کیوں مردم شماری کرائی۔ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ اب ہمیں کوئی مٹا سکتا ہے۔ یا رسول اللہ۔ اب تو ہم سات سو ہو گئے ہیں ؞

پس ہم تو ان لوگوں کے جانشین ہیں۔ جو سات سو ہو کر سمجھتے تھے۔ کہ دُنیا کی کوئی طاقت انہیں مٹا نہیں سکتی۔ گورنمنٹ تسلیم کرتی ہے۔ کہ پچھلی مردم شماری میں جماعت احمدیہ کی تعداد صرف پنجاب میں ۵۶ ہزار تھی۔ جب ہماری تعداد انکی اپنی تسلیم شدہ تعداد کے مطابق صرف پنجاب میں ۵۶ ہزار تھی۔ تو ہم تو ان لوگوں کی اولاد ہیں۔ جو سات سو ہو کر مٹنے کا نام نہیں لیتے تھے پھر ہم ۵۶ ہزار ہو کر کس طرح خوف کھا سکتے ہیں ؞

کوفہ کے لوگ ہمیشہ جھگڑتے رہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان کے روز روز کے جھگڑے سُنکر کہا۔ اب میں ان پر ایک ایسا گورنر مقرر کروں گا۔ جو انہیں سیدھا کر دیگا۔ چنانچہ انہوں نے

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ

کو بھیجا۔ جو انیس سال کے تھے۔ جب کوفہ والوں کو پتہ لگا۔ کہ ایک انیس سالہ نوجوان ان کا گورنر بن کر آیا ہے۔ تو انہوں نے تجویز کیا۔ کہ آؤ اس سے کوئی تمسخر کریں۔ چنانچہ بڑے بڑے آدمی جُبّے پہن کر اس سے ملنے کے لئے گئے۔ اور سوال کیا۔ جناب کی عمر؟ جب رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسامہ کو ایک بہت بڑا جیش دے کر جس میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی شامل تھے۔ لڑائی کے لئے بھیجا تھا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ جب کوفہ والوں نے عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا۔ جناب کی عمر؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ میری عمر پوچھتے ہو؟ جس وقت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اسامہ کو حضرت ابو بکرؓ۔ اور حضرت عمرؓ کا افسر بنا کر بھیجا تھا۔ اس وقت جو عمر اسامہ کی تھی۔ اس سے

ایک سال زیادہ

ہے۔ میں بھی ان لوگوں سے یہ کہہ دینا چاہتا ہوں۔ کہ صحابہ کرام نے جب سمجھا تھا۔ کہ اب ہم سات سو ہو گئے ہیں۔ ہمیں اب کون تباہ کر سکتا ہے۔ تو صحابہ کی اس وقت کی تعداد سے اب ہم کم سے کم دو سو گنے زیادہ ہیں۔ اور ہم محدود نہیں قادیان میں ہم محدود نہیں پنجاب میں۔ ہم محدود نہیں یو پی میں۔ ہم محدود نہیں ہندوستان میں۔ بلکہ ہم افغانستان میں بھی ہیں۔ ہم روس میں بھی ہیں۔ ہم چین میں بھی ہیں۔ ہم جاپان میں بھی ہیں۔ ہم سماٹرا میں بھی ہیں۔ ہم جاوا میں بھی ہیں۔ ہم سٹریٹ سیٹلمنٹس میں بھی ہیں۔ ہم امریکہ میں بھی ہیں۔ ہم افریقہ میں بھی ہیں۔ ہم یوروپ میں بھی ہیں۔ ہم بلاد عربیہ میں بھی ہیں۔ اسی طرح

ہم مشرق میں بھی ہیں۔ اور مغرب میں بھی

اور دُنیا میں خدا کے فضل سے ہم ہر روز بڑھ رہے ہیں ؞

پس ہمارے پیچ کو کوئی ایک حکومت کوئی دو حکومتیں۔ بلکہ کوئی تین حکومتیں مل کر بھی تباہ نہیں کر سکتیں۔ اور نہ ان کا متفقہ عزم دُنیوی طور پر ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور الٰہی طور پر تو ہم یقیناً محفوظ ہیں۔ اور اس خدا کے ہاتھ میں ہیں جس پر کوئی تلوار نہیں چلا سکتا ؞

غرض میں سمجھ ہی نہیں سکا۔ کہ ہمارے خلاف یہ کیوں شورش ہے۔ اور اس کی تہہ میں کونسی بات کام کر رہی ہے۔ اور چونکہ میں ہز ایکسی لنسی کا ذکر کر رہا ہوں۔ اس لئے اس دوران میں ایک اور بات بھی بیان کر دینی چاہتا ہوں۔ پچھلے سال کے آخر میں اتفاقی طور پر ہمارا ایک جگہ اجتماع ہو گیا۔ اور ہز ایکسی لنسی کی مہربانی سے ان سے مجھے

ملاقات کا موقعہ مل گیا

ان کی گفتگو کا جو اثر اس وقت میرے دل پر تھا۔ وہ یہ ہے۔ کہ وہ اپنے ماتحتوں پر کامل اعتماد رکھتے ہیں۔ اور وہ یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ کہ ہمارے ساتھ بد دیانتی کا سلوک ہوتا ہے۔ دُوسری طرف میری طبیعت پر یہ اثر بھی تھا۔ کہ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ جماعت احمدیہ اور حکومت میں جو اختلاف واقعہ ہو گیا ہے۔ اسے مٹانے کے لئے کوشش کرنا چاہتے ہیں۔ ذاتی رویہ ان کا نہایت ہی شریفانہ اور ان کے عہدہ کے بالکل مناسب حال تھا۔ لیکن مجھے یہ سمجھا ہوں کہ جب تک ان کا نقطۂ نگاہ اپنے ماتحتوں کے متعلق نہ بدلے۔ ہم کسی متفقہ اصول پر نہیں پہونچ سکتے۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ کوئی وجہ نہیں۔ کہ ہم موجودہ حالات کی ذمہ واری کی ابتداء ان کی طرف منسوب کریں۔ پس میرا فرض ہے۔ کہ میں اپنے شکوک و شبہات کو ادھر اُدھر پھیروں۔ اور ان کا کوئی اور سبب معلوم کروں۔ اس ملاقات کے بعد خطبہ میں مَیں نے اعلان کر دیا تھا۔ کہ بعض حالات ایسے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حکومت میں ایک تغیر ہے۔ چنانچہ اس کے بعد کچھ افسر بھی تبدیل کئے گئے۔ اور کچھ لوکل افسر جو قادیان میں شورشیں برپا کر رہے تھے ان میں بھی کمی واقعہ ہو گئی۔ اور میرا خیال ہے۔ میں نہیں جانتا۔ وہ صحیح ہے۔ یا نہیں۔ کہ اس گفتگو کے نتیجہ میں ہز ایکسی لنسی نے مناسب سمجھا۔ کہ اپنے افسروں کو یہ ہدایت کر دیں۔ کہ یہ اثر نہیں پیدا ہونا چاہیئے۔ کہ

حکومتِ پنجاب احمدیوں کو تکلیف دینا چاہتی ہے

غرض حکومت میں تبدیلی شروع ہُوئی۔ اور میں نے فراخدلی سے اس تبدیلی کا اعلان کر دیا۔ اگر یہ حالات قائم رہتے۔ تو ممکن ہے۔ وہ ناخوشگوار باتیں۔ جو حکومت اور ہمارے درمیان پیدا ہو جاتی رہتی تھیں۔ اور ممکن ہے ہم پھر اس مقام پر آجاتے۔ کہ اطمینان اور سکون کے ساتھ ملک کی خدمت میں حصہ لے سکتے۔ اور حکومت کی بھی مدد کر سکتے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ کہ وہ خاموشی اور سکون زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہا۔ اور کئی تبدیلیاں ظہور میں آنے لگیں

چنانچہ پہلی تبدیلی جو یکدم نظر آئی۔ وہ یہ تھی۔ کہ ریتی چھلہ کی زمین کے متعلق

حکومت کی طرف سے مقدمہ

چلا دیا گیا۔ حالانکہ عام حالات میں جب ایک شخص کہتا ہے کہ میرا حق ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے۔ کہ میرا حق ہے تو اس کا علاج یہی ہوا کرتا ہے۔ کہ جس کا قبضہ ہو اس کے خلاف دوسرا فریق مقدمہ دائر کر دیتا ہے۔ یہی طریق یہاں اختیار کیا جانا چاہیئے تھا۔ لیکن کیا یہ گیا۔ کہ حکومت نے اپنے خرچ سے ایک غیر معروف قانون کے ماتحت ہمارے خلاف فوجداری مقدمہ کھڑا کر دیا۔ میں یہ نہیں کہتا۔ کہ اس زمین کو ہماری قرار دیا جاتا۔ اور نہ یہ کہتا ہوں۔ کہ ہمارے مخالفین کی قرار دیا جاتا۔ کیونکہ حق کا فیصلہ کرنا عدالت کا کام ہے۔ اور عدالت میں مقدمہ پیش ہے۔ مگر میں یہ ضرور کہتا ہوں۔ کہ حکومت کا یہ فعل یقیناً انصاف کے خلاف تھا۔ کہ وہ عدالت میں اپنے خرچ سے ہمارے خلاف مقدمہ کھڑا کرتی۔ بے شک خاص حالات میں حکومت خاص طریق عمل کی بھی محتاج ہوتی ہے مگر یہاں وہ حالات پیدا نہ تھے۔ بہر حال یہ مقدمہ عدالت میں ہے۔ اور وہی فیصلہ کریگی اور چونکہ قانون ہمیں اس کے متعلق کچھ کہنے سے روکتا ہے۔ اس لئے ہم اس کے متعلق کچھ بیان نہیں کر سکتے۔ ہاں

مقدمہ کا چلانا

ایک ایگزیکٹو عمل ہے۔ ایک مجسٹریٹ بھی جب مقدمہ چلاتا ہے۔ تو ایگزیکٹو حیثیت میں ہی چلائیگا جیسے ڈپٹی کمشنر جب کوئی مقدمہ پیش کرے گا تو بحیثیت ڈپٹی کمشنر پیش کرے گا۔ لیکن جب مقدمہ سنے گا۔ تو بحیثیت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سنے گا۔ پس میرے نزدیک اس

مقدمہ کے چلانے کی ذمہ داری

حکومت پر ہے نہ کہ عدالت پر۔ اور میرے نزدیک احسن طریق یہ تھا۔ کہ دونوں فریق کو چھوڑ دیا جاتا۔ کہ ان میں سے جو چاہے عدالت میں چلا جائے مگر حکومت یکدم سرکاری خرچ پر مقدمہ چلوا دیتی ہے اور اس زمین کے متعلق مقدمہ چلا دیتی ہے۔ جس کے متعلق

پنجاب کے ایک اعلیٰ افسر

نے جسکا نام میں نہیں لیتا۔ چودھری سر ظفر اللہ خانصاحب سے ایک ملاقات کے موقعہ پر کہا کہ میں نے اس زمین کے کاغذات منگوا کر دیکھے ہیں۔ اور ایک لمبے عرصہ تک ان کا مطالعہ کیا ہے۔ اگر مجھ پر ثابت ہو جاتا کہ یہ زمین احمدیوں کی نہیں ہے۔ تو میں ضرور دیواریں گروا دیتا۔ اسی طرح ایک افسر نے مجھ سے کہا۔ کہ پہلے ہمیں غلط رپورٹ پہونچی تھی۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ وہ دو زمینیں جن کے متعلق جھگڑا ہے۔ وہ آپ کی ہیں۔ ان دو باتوں کے بعد جب یکدم سرکاری طور پر مقدمہ چلایا جائے۔ تو ہمیں حیرت و استعجاب کا لاحق ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اور ہمیں تعجب ہے۔ کہ اس قدر علم حاصل کر لینے کے بعد کونسی ایسی نئی بات پیدا ہوئی کہ یہ کارروائیاں ہونے لگیں۔ مجھے نہیں معلوم یہ مقدمہ چلانے کا حکم پنجاب کے کس افسر نے دیا یا ضلع کے کسی افسر نے کہا۔ یہ حکومت کا کام ہے۔ کہ وہ ظاہر کرے۔ اگر وہ ظاہر کرے۔ تو پتہ لگ سکتا ہے۔ نہیں تو ہمیں کیا معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کس کے کہنے پر یہ مقدمہ چلایا گیا۔ ہم تو یہی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ

ایک غیر معمولی تغیر حکومت میں

پیدا ہوا۔ اور جب ہم اس کے ساتھ یہ بھی دیکھتے ہیں۔ کہ چار پانچ مہینہ خاموش رہنے کے بعد ادھر مقدمہ شروع ہوا۔ ادھر اس نیت سے دو احراری آ گئے۔ کہ وہ ریتی چھلہ کے احاطہ کے دروازوں میں سے گزریں گے۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ دیواریں تو چار پانچ ماہ سے بنی ہوئی تھیں۔ ان چار پانچ مہینوں میں قادیان والوں کو تو وہاں سے گزرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ لیکن پانچ مہینے کے بعد جب حکومت نے مقدمہ چلایا۔ تو یکدم دو احراریوں کو وہاں سے خاص طور پر گذرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ کیا اس کا صاف طور پر یہ مطلب نہیں۔ کہ

بعض افسروں نے مقدمہ میں اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے

اشارہ کر کے ان دو آدمیوں کو بھجوایا تھا۔ کیونکہ اس دفعہ کے ماتحت جس کے ماتحت مقدمہ چلایا گیا ہے۔ فساد کا خطرہ بھی ضروری ہے۔

پس پانچ مہینے پہلے تو کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ ہوا لیکن جب گورنمنٹ نے مقدمہ کھڑا کر دیا۔ تو کسی ایسے افسر نے جسے اس بات سے دلچسپی تھی۔ کہ مقدمہ ضرور جیتا جائے اشارہ کر دیا کہ دو احراری چلے جائیں اور زبردستی دروازوں میں داخل ہوں۔ اس کے بعد جب احراری یہاں پہنچتے ہیں۔ تو ہماری حیرت کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ پولیس جب گرفتار کرتی ہے۔ تو احرار کے ساتھ ان لوگوں کو بھی گرفتار کر لیتی ہے۔ جو مالک زمین کی طرف سے حفاظت پر کھڑے ہوئے تھے۔ حالانکہ ہائی کورٹ کے قریب کے فیصلے موجود ہیں۔ بلکہ

موجودہ چیف جسٹس

جو نہایت ہی سمجھدار انسان ہیں۔ جنہوں نے برطانوی انصاف کی دھاک بٹھا دی ہے۔ اور جن کے مخالف بھی یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ وہ ایک دیانتدار انسان ہیں۔ اور انصاف کی خواہش رکھتے ہیں۔ انہوں نے کئی فیصلوں میں لکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی مقبوضہ یا مملوکہ چیز کی حفاظت کر رہا ہو۔ تو اس حفاظت میں اگر وہ حملہ آور کا شدید مقابلہ بھی کرے۔ تو وہ مجرم نہیں۔ ایک اور جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص کسی دوسرے کا حق چھیننے کے لئے اس سے لڑے۔ اور دوسرا مار ہی کھاتا رہے اس کا سختی سے مقابلہ نہ کرے۔ تو خود حفاظتی کا قانون گورنمنٹ نے کیوں بنایا ہے۔ پس ہمارے آدمی اپنے ایک حق کی حفاظت کر رہے تھے۔ اور احراری بے جا طور پر اس حق کو چھیننا چاہتے تھے۔ مگر پولیس نے نہ صرف احراریوں کو گرفتار کیا۔ بلکہ حفاظت کرنے اور پہرہ دینے والوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ کوئی شخص سوال کر سکتا ہے۔ کہ آپ بے شک اس زمین پر اپنا حق جتاتے ہیں لیکن گورنمنٹ تو اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔ کہ وہ آپ کا حق ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ

ہمارا اعتراض

حق کی بناء پر نہیں۔ اس کا فیصلہ تو عدالت میں ہوگا۔ ہمارا اعتراض تو یہ ہے کہ جب ہمارے خلاف مقدمہ کھڑا کیا گیا ہے۔ تو اس امر کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ کہ اس زمین پر اس وقت ہمارا قبضہ ہے۔ ورنہ اگر ہمارا قبضہ تسلیم نہیں۔ تو ہمارے خلاف مقدمہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔ پس جب ہمارا قبضہ تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تو جب تک عدالت ہمارے قبضہ کو نہ تڑوا دے۔ سرکاری محکموں کو ہمارے ساتھ وہی سلوک کرنا ہوگا۔ جو ایک جائز قابض کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور عدالت کے فیصلہ تک پولیس اور حکومت کا فرض تھا۔ کہ اس احاطہ میں داخل ہونے والوں کے خلاف کارروائی کرتی۔ اور ہمارے آدمیوں کی مدد کرتی۔ ہاں اگر عدالت فیصلہ کر دیتی۔ کہ یہ احمدیوں کا حق نہیں۔ تو اس کے بعد اس کا فرض تھا۔ کہ ہمارے مخالفوں کی حفاظت کرتی۔ مگر جب تک عدالت نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ اور معاملہ عدالت میں زیر غور تھا۔ اس وقت تک حکومت خود مقدمہ چلا کر یہ تسلیم کر چکی تھی کہ اس زمین پر احمدیوں کا قبضہ ہے۔ اور جس قبضہ کو حکومت تسلیم کر چکی تھی۔ اس قبضہ کی حفاظت کرنے والوں کو پکڑنا ایک ایسی بات ہے۔ جس کے سمجھنے سے ہم قاصر ہیں۔ اور نہ کوئی اور اسے سمجھ سکتا ہے۔

یہ تبدیلی حکومت کے رویہ میں کیوں ہوئی

چاہے لوکل حکام کی وجہ سے ہوئی ہو۔ یا اوپر کے حکام میں سے کسی نے یہ خیال کیا ہو۔ کہ لوکل حکام تو ڈھیلے ہو گئے ہیں۔ میں ہی کوئی تماشہ کروں۔ بہر حال اس میں کوئی راز ہے جو ہماری سخت دل شکنی کا باعث ہے۔ اور یہ بات ہمیں بتاتی ہے۔ کہ حکومت سے قریب کے زمانہ میں ہمیں کسی اچھی تبدیلی کی امید نہیں ہو سکتی۔ مجھے یہ شبہ کہ اس معاملہ میں حکومت کے بعض افسروں کا دخل ہے۔ اس لئے بھی ہے۔ کہ ان دو احراریوں کے یہاں آنے سے تین دن پہلے احرار کے دفتر سے مجھے رپورٹ ملی۔ کہ ایک شخص جس کا نام زید رکھ لو۔ دوسرے شخص کے پاس جس کا نام بکر رکھ لو گیا اور اسے کہا کہ آپ فلاں شخص کو خط لکھ دیجئے کہ فلاں دن دو آدمی یہاں ضرور بھیج دے اور فلاں شخص سے بھی میں مل چکا ہوں۔ اور وہ فلاں شخص حکومت کا ایک افسر تھا۔ اس کے تیسرے دن دو احراری آ جاتے ہیں۔

اور ریتی چھلہ کے دروازوں میں سے گزرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ جو اشاروں میں بات ہوئی تھی وُہ اسی واقعہ کے متعلق تھی۔ اور چونکہ اس رپورٹ میں ایک افسر کا نام بھی آتا تھا۔ اس لئے ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ

کسی افسر کی اس میں انگیخت ہے

ہم یہ بات بالا افسروں کے پایہ ثبوت تک نہیں پہنچا سکتے۔ کیونکہ یہ بات اشاروں میں ہوئی تھی۔ نہ ہم اپنے انفارمر کا پتہ دے سکتے ہیں۔ نہ خبر رسانی کے طریق کی اسے اطلاع دے سکتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے۔ وُہ اسے جھوٹ کہدیں۔ گو وقوعہ کی پہلے سے خبر دے دینا جھوٹ نہیں بلکہ علم غیب ثابت کرتا ہے:۔

اس سے کچھ عرصہ پہلے

ایک اور واقعہ

ہوا۔ جو ہمارے لئے حیرت کا موجب ہوا۔ اور وُہ یہ کہ ولایت سے ایک سیاح ہندوستان میں آیا۔ اس کے بعض احمدیوں سے گہرے تعلقات تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر لاہور سے روانگی کے بعد وُہ بعض احمدیوں کے ہاں بطور مہمان ٹھیرا۔ مگر ہمیں معلوم ہوا ہے۔ کہ لاہور میں حکومت پنجاب کے بعض افسروں نے ہماری جماعت کے خلاف اس کے کان بھرے۔ اور اسی وجہ سے اگرچہ وُہ قادیان آنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مگر بغیر قادیان آئے واپس چلا گیا لاہور سے روانگی کے بعد اور بعض احمدیوں کا مہمان ٹھہرنے کے بعد وُہ اپنے فعل پر پچھتایا اور اس نے ایک خط میں اس امر پر افسوس کا اظہار کیا۔ اور لکھا۔ کہ روز بروز میرا افسوس بڑھ رہا ہے۔ کہ میں نے اس بارہ میں غلطی کی ہے۔ اس واقعہ سے پتہ لگتا ہے۔ کہ حکومت پنجاب کے افسروں کے کم سے کم ایک حصہ کے قلوب میں احمدیوں کے متعلق جو منافرت تھی۔ وُہ ابھی دُور نہیں ہوئی:۔

تیسری مثال

یہ ہے۔ کہ پرسوں اترسوں مجھے ایک ایسے دوست کی روایت پہنچی ہے۔ جو ہماری جماعت میں شامل نہیں۔ مگر چونکہ وُہ لاہور میں ایک اعلیٰ عہدہ پر رہے ہیں۔ اس لئے گورنمنٹ کے بعض افسروں سے ان کے اچھے تعلقات ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک احمدی دوست کو بتایا ہے۔ کہ ایک ذمہ وار افسر نے اپنے دفتر میں یہ نوٹ کروایا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے دو بیٹے آئی۔ سی۔ ایس۔ کے امتحان کے لئے ولایت گئے ہوئے ہیں۔ اگر وُہ پاس ہو کر آجائیں۔ تو انہیں پنجاب میں نہ لگایا جائے۔ یہ خبر اگر صحیح ہے۔ تو بتاتی ہے۔ کہ حکومت کے افسروں کے دلوں میں ابھی تک تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ اور نچلے افسروں کے جھوٹوں کو سچ تسلیم کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں میرے نزدیک کئی باتیں قابل اعتراض ہیں:۔

الف۔ وُہ لڑکے ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور امتحان میں پاس ہی نہیں ہوئے۔ پس ابھی سے یہ نوٹ کرنا کہ جب وُہ پاس ہو کر آئیں۔ تو انہیں پنجاب میں نہ رکھا جائے۔ اور اس طرح اپنے بغض کا اظہار کرنا نہایت ہی گری ہوئی بات ہے۔ ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے نوکری کرانا ہی نہ چاہے۔ اور ممکن ہے۔ وُہ پاس ہی نہ ہوں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی مشیت کا کیا علم ہے۔ پس انہیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ جب تک وُہ پاس ہو کر یہاں پہونچ نہ جاتے۔ مگر پہلے سے ہی پیش بندی کرنے کے لئے تیار ہو جانا ایسی ہی بات ہے۔ جیسے کہتے ہیں کسی نے اپنے دوست سے کہا تھا۔ میاں تمہاری کتیا نے سُنا ہے بچے دیئے ہیں۔ اور وُہ بہت اچھے ہیں۔ ایک بچہ ہمیں بھی دو۔ وُہ کہنے لگا۔ بچے تو دیئے تھے۔ مگر وُہ مر گئے ہیں۔ لیکن اگر وُہ زندہ رہتے۔ تب بھی میں تمہیں نہ دیتا۔ وُہ کہنے لگا۔ اب تو مر چکے تھے۔ تمہیں یہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ کہ اگر زندہ ہوتے۔ تب بھی نہ دیتا۔ اسی طرح ابھی تو وُہ موقعہ آیا ہی نہیں۔ اور یہ ع

آب نہ دیدہ - موزہ کشیدہ

کے مطابق پہلے ہی اس کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں۔ پس اگر یہ بات صحیح ہے۔ تو اس افسر نے سیاستاً بھی ایک بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور خواہ مخواہ دلوں کو حکومت سے پھیرنے کی کوشش کی ہے:۔

دوسرے یہ صحیح نہیں۔ کہ میرے دو بیٹے ولایت آئی۔ سی۔ ایس کی تعلیم کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ جو اس غرض سے گئے ہیں۔ وُہ میرے بھتیجے ہیں

میرا صرف ایک بیٹا انگلستان میں تعلیم پا رہا ہے

مگر وُہ اس نوکری کے لئے نہیں گیا۔ بلکہ اس کی عمر بھی اسے اس عہدہ کے قابل نہیں رکھتی۔ پہلے میں نے اسے قرآن مجید حفظ کرایا۔ پھر مولوی فاضل تک تعلیم دلائی۔ پھر انگریزی علوم پڑھائے۔ ایسا طالب علم کہاں اس عمر کے اندر تعلیم ختم کر سکتا ہے۔ جو نوکری کے لئے ضروری ہے۔ پس وُہ ولایت کسی نوکری کے لئے نہیں گیا۔ بلکہ علم کی زیادتی کے لئے گیا ہے۔ باقی رہے میرے بھتیجے۔ سو میرے تعلق کا اگر میرے بھتیجوں پر یہ اثر پڑے۔ کہ انہیں سرکاری ملازمت میں نہ لیا جائے۔ تو یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ گورنمنٹ یہ نوٹس شائع کردے کہ آئندہ جماعت احمدیہ کے افراد کو سرکاری ملازمتوں میں نہ لیا جائے۔ مگر حکومت کا یہ اعلان نہ کرنا اور اس وجہ سے کہ اُسے مجھ سے کسی قسم کی شکایت ہے۔ میرے بھتیجوں کے مستقبل پر اثر ڈالنا یہ امر ان افسروں کے کسی زیادہ اچھے اخلاق پر دلالت نہیں کرتا۔ حالانکہ حکومتیں بھی اخلاق کی ویسی ہی پابند ہوتی ہیں۔ جیسے رعایا۔ اگر خدا تعالیٰ نے انہیں کامیاب کر دیا۔ تو پھر پنجاب کیا۔ اور یوپی کیا۔ اور بنگال کیا۔ اور بمبئی کیا۔ جو تعلیم کے لئے انگلستان جا سکتے ہیں۔ وُہ ملازمت کے لئے پنجاب سے باہر بھی رہ سکتے ہیں۔ لیکن اگر وُہ پنجاب میں لگ جائیں۔ تو

حکومت کو مطمئن رہنا چاہیئے

کہ ان کی وجہ سے برٹش ایمپائر کو کوئی نقصان نہیں پہونچیگا۔ آخر آئی سی۔ ایس حکومتِ ہند کے کام ممبر سے زیادہ باحیثیت نہیں ہوتے۔ پھر جب ظفر اللہ خان کی موجودگی میں برطانوی حکومت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ تو ان دو لڑکوں کی موجودگی میں اسے کیا نقصان پہنچ جائیگا۔ دراصل اس قسم کی باتیں صرف دلوں میں میل پیدا کر دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتیں۔ پھر اس قسم کی باتوں کا یہ واضح مطلب ہے۔ کہ گورنمنٹ کہتی ہے غیر احمدیوں کو لے لو۔ سکھوں کو لے لو۔ عیسائیوں کو لے لو۔ کانگرسی خاندانوں کے بچوں کو لے لو انتہا پسند خاندانوں کے لڑکوں کو لے لو۔ مگر احمدیوں کو نہ لو۔ گویا وُہ احمدیوں کو حکومت کے مخالف گروہوں سے بھی بدتر سمجھتی ہے لیکن حکومت تسلی رکھے۔ میرے بیٹے اگر میرے نقشِ قدم پر چلنے والے ہُوئے۔ تو ان کا فرض ہوگا۔ کہ وُہ

کبھی انگریزوں کی نوکری نہ کریں

میں نے اپنے جتنے لڑکوں کو تعلیم دلائی ہے اُن میں سے کسی کے متعلق یہ مدنظر نہیں رکھا۔ کہ انہیں نوکری کرائی جائے۔ صرف ایک لڑکا ایسا ہے جسے میں نے ڈاکٹری پڑھوائی ہے۔ اور ممکن ہے ایک دو اور کو بھی کوئی ایسا ہی علم پڑھاؤں۔ کیونکہ میں سمجھتا ہُوں۔ یہ علوم بھی سلسلہ کی خدمات کے لئے ضروری ہیں۔ ایسے بچوں کو اگر تجربہ وسیع کرنے کے لئے تھوڑی مدت کے لئے نوکری کرنی پڑے۔ تو وُہ بھی جائز ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ڈاکٹری کے لئے ضروری ہے۔ کہ مریض ہوں۔ اور ان کا علاج کرکے تجربہ کو وسیع کیا جائے۔ اور پرائیویٹ پریکٹس میں ابتداء میں کافی مریض مہیا نہیں ہو سکتے اس لئے اگر اس مقصد کے لئے ایک دو سال انگریزوں کی ملازمت کر لی جائے۔ تا تجربہ ہو جائے تو یہ ملازمت نہیں۔ بلکہ تعلیم کا زمانہ ہی کہلائیگا ورنہ نوکری تو ایسی چیز ہے۔ کہ میں اس کا نام سن کر بھی گھبراتا ہُوں۔ اور میرے خدا تعالیٰ سے جو تعلقات ہیں۔ اور جس نگاہ سے میں نے اپنے تعلقات کو ہمیشہ دیکھا ہے۔ اس کے رُو سے تو میری حیثیت ایک غلام کی ہے۔ اور اسلام کا یہ مسئلہ ہے۔ کہ غلام کے بچے بھی غلام ہی ہوتے ہیں:۔

پس جس نقطۂ نگاہ سے میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اگر اسی نقطۂ نگاہ سے میرے بچے بھی اپنے رب کو دیکھیں گے۔ تو وُہ اور جا کہاں سکتے ہیں۔ غلام تو اسی دروازہ پر رہتا ہے جہاں اس کا آقا ہو۔ یہ خبر تو مجھے پرسوں ملی ہے۔ مگر سات آٹھ دن ہُوئے۔ میرے بعض بچوں نے جب پرائمری پاس کی۔ تو وُہ آپس میں آئندہ پڑھائی کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔

یہ اس خیال سے کہ ان کے دل کے ارادوں کا اندازہ لوں۔ ایک چھوٹے بچے کو بلایا۔ اور اس سے پوچھا۔ بولو انگریزی کی نوکری اچھی ہے یا خدا تعالیٰ کی۔ وہ کہنے لگا خدا کی۔ میں نے کہا اگر

خدا تعالیٰ کی نوکری اچھی ہے

تو وہ پھر مدرسہ احمدیہ میں داخل ہونے سے ہی مل سکتی ہے۔ تو باوجود انگریزی حکومت کا ادب و احترام دل میں رکھنے کے باوجود اس سے تعاون کرنے کے اور باوجود اس عقیدہ میں دشمنوں کی طرف سے شدید مخالفتیں برداشت کرنے کے انگریزوں کی ملازمت اپنی اولاد کے لئے پسند نہیں کرتا۔ بلکہ میں یہی پسند کرتا ہوں۔ کہ جس دروازہ کی غلامی مجھے نصیب ہوئی ہے۔ خدا تعالیٰ اسی دروازہ کی غلامی میری اولاد کو نصیب کرے۔ کیونکہ ادھر آ کر تبدیل کرنا ہماری غیرت برداشت نہیں کر سکتی ممکن ہے میرے بچوں میں سے سب ایک رنگ میں سلسلہ کی خدمات نہ کر سکیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میری اولاد زیادہ ہے اس صورت میں انگریزی کی نوکری سے میں یہ زیادہ پسند کروں گا۔ کہ وہ تجارت کر لیں۔ یا زراعت کر لیں۔ یا کوئی اور پیشہ اختیار کر لیں۔ ان کاموں میں انسان کو بہت حد تک آزادی رہتی ہے۔ اور وہ خدمت سلسلہ کے لئے کافی وقت نکال سکتا ہے۔ نوکریوں میں لوگ آزاد نہیں ہوتے۔ ان پر سو پابندیاں عائد ہوتی ہیں۔ پھر

اقلیتوں کے لئے

تو اور زیادہ مشکلات ہوتی ہیں۔ زبردست قومیں تبلیغ بھی کریں۔ تو انہیں کوئی نہیں پوچھتا۔ میں شملہ میں ایک دفعہ گیا۔ وہاں گورنمنٹ کے ایک ممبر نے جلسہ کیا۔ راجہ رام موہن رائے کی برسی تھی۔ اس جلسہ میں انہوں نے برہمو سماج کی خوبیاں بڑے زور سے بیان کیں۔ گورنمنٹ کے کئی وزراء اس میں شامل ہوئے۔ مگر ان سے کسی نے نہ پوچھا کہ وہ اس جلسہ میں کیوں شامل ہوئے۔ اس کے مقابلہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح و تعریف میں جب جلسے ہوتے ہیں۔ تو جو احمدی ملازم ان میں شامل ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض سے کچھ چھ مہینے جواب طلبیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کہ تم کیوں جلسہ میں شامل ہوئے تو

طاقتور اور کمزور میں بہت بڑا فرق

ہوتا ہے۔ اور جو عمل طاقتور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں کر جاتا ہے۔ وہی عمل غریب اور کمزور کے لئے کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہتے ہیں ایک بھیڑیا اور بکری کا بچہ کسی نالے میں سے پانی پی رہے تھے۔ بھیڑیا اوپر کی طرف تھا۔ اور بکری کا بچہ پانی کے بہاؤ کی طرف۔ بھیڑیے نے جب بکری کے بچے کا نرم نرم گوشت دیکھا تو چاہا کہ اس کا گوشت کھائے۔ اور اس کی نرم نرم ہڈیاں چبائے۔ یہ سوچ کر اس نے بکری کے بچے سے کہا نالائق تجھے شرم نہیں آتی۔ میں پانی پی رہا ہوں۔ اور تو پانی کو گدلا کر رہا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ آپ اوپر کی طرف ہیں۔ اور میں نیچے کی طرف۔ بھلا آپ کا پانی میرے پینے کی وجہ سے گدلا کیونکر ہو سکتا ہے۔ بھیڑیے نے جونہی یہ جواب سنا۔ جھٹ کود کر اس کا گوشت نوچ لیا۔ اور کہنے لگا گستاخ آگے سے جواب دیتا ہے۔ یہ تو تمثیلی زبان میں ایک بات کہی گئی ہے۔ انگریزی قوم میں بھی اسی قسم کا

ایک لطیفہ

مشہور ہے۔ کہتے ہیں ایک افسر سپاہیوں کو پریڈ کرا رہا تھا۔ کسی سپاہی پر وہ ناراض تھا۔ مگر اس پر گرفت کا اسے کوئی موقعہ نہیں ملتا تھا۔ پریڈ کراتے کراتے کہنے لگا سپاہی نمبر ۱۳ تمہارا قدم ٹھیک نہیں۔ وہ کہنے لگا۔ حضور میرا قدم ٹھیک ہے۔ افسر نے یہ جواب سن کر کہا سارجنٹ نمبر ۱۳ کو گرفتار کر لو۔ یہ آگے سے جواب دیتا ہے۔ تو اقلیتوں کے لئے یہ بات ہوا ہی کرتی ہے۔ کہ ان کے حقوق کو آسانی سے دبا لیا جاتا ہے۔ اور ان پر سختی اور تشدد کیا جاتا ہے۔

پس اقلیتوں کے لئے سرکاری ملازمتوں میں تبلیغ کرنے میں بہت سی مشکلات ہوتی ہیں۔ انہیں ہر وقت خوف رہتا ہے۔ کہ کہیں افسر جواب طلبی نہ کر لیں۔ اس لئے کیوں ہم وہ کام نہ کریں۔ جن میں انسان اپنی روزی بھی کما سکتا ہے۔ اور

خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت

بھی کر سکتا ہے۔ ایک دوکاندار اپنی دوکانداری کے کام سے جب فارغ ہو جاتا ہے۔ تو باقی وقت اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔ اسی طرح تاجر یا صناع اپنی تجارت اور صنعت و حرفت کا کام آزادی سے کرتے ہوئے دین کی خدمت بھی کر سکتا ہے۔ پس میرے بچوں کے متعلق جن افسروں کو ابھی مشکلات نظر آ رہی ہیں۔ انہیں بے چینی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے میری امیدوں اور خواہشوں کو پورا کیا۔ تو وہ ان کے دروازوں پر کبھی نوکری مانگنے کے نہیں آئیں گے۔

چوتھا امر

ڈاک خانہ کا رویہ

ہے۔ یہ بھی قریب کے عرصہ سے جاری ہے۔ ڈاک خانہ میں پہلے ایک احمدی افسر ہوا کرتا تھا پھر حکومت نے اسے بدل دیا۔ اور چونکہ تبدیلیوں کے متعلق گورنمنٹ کا قانون ہے۔ اس لئے ہم نے کوئی بُرا نہ منایا۔ اور اس احمدی سے دریافت کیا۔ کہ جو شخص آپ کی جگہ آ رہا ہے۔ وہ کیسا ہے۔ انہوں نے کہا میں اسے جانتا ہوں۔ وہ ایک شریف آدمی ہے اور اس سے کسی قسم کے

خطرہ کا خیال

نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ خود میں نے جماعت کے کارکنوں کو ہدایات دیں۔ کہ تم لوگ اس سے پورا پورا تعاون کرنے کی کوشش کرو۔ اس سے پہلے ایک اور احمدی کلرک ڈاکخانہ سے بدلا جا چکا تھا۔ اور اس طرح سب ایک ڈھب کے آدمی ڈاک خانہ میں مقرر کر دیئے گئے۔ اس تبدیلی کو ہم نے خوشی سے قبول کیا۔ اور میں نے سلسلہ کے افسروں کو تعاون کی ہدایت کی۔ اور کہا مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ شخص شریف ہے۔ مگر اس

عملہ کی تبدیلی کا نتیجہ

کیا ہوتا ہے۔ اول تو وہی شخص جس نے تعریف کی تھی۔ اسی کے خلاف آرٹیکل لکھے جانے لگے۔ اور اخبارات میں شائع کرائے جاتے۔ گویا انہوں نے تو یہ سلوک کیا۔ کہ آنے والے کی تعریف کی۔ اور کہا کہ اس سے اچھا سلوک رکھا جائے۔ وہ شریف آدمی ہے۔ لیکن انہوں نے اس سے یہ سلوک کیا۔ کہ اس کے خلاف

اخباروں میں مضامین

لکھے۔ پھر میرے ساتھ جس نے یہ تاکید کی تھی۔ کہ اچھا سلوک کیا جائے۔ یہ معاملہ کیا گیا۔ کہ میں نے ایک دوائی منگوائی۔ وہ دوائی ابھی مجھے نہیں پہونچی تھی۔ اور نہ اس کے متعلق خط ملا تھا۔ کہ ایک رپورٹر نے احرار کے دفتر سے مجھے اطلاع دی۔ کہ آج فلاں شخص یہ بیان کر رہا تھا۔ کہ میں نے احرار کے اخبار میں یہ مضمون بھیجا ہے۔ کہ یہاں ایسی ایسی

دوائیوں کا پارسل

آیا ہے۔ میں حیران ہوا۔ کہ یہ اطلاع انہیں کیونکر مل گئی۔ کیونکہ ابھی تک پارسل کی اطلاع مجھے بھی نہ ملی تھی۔ زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی۔ کہ اس میں قیمتوں کا بھی ذکر تھا۔ اور ایک دوا کا نام بھی صحیح تھا۔ یہ رپورٹ میرے پاس صبح ۹ بجے کے قریب پہونچی۔ اور بارہ بجے کے قریب ڈاک والا وہ پارسل میرے نام لایا۔ میں نے اسی وقت پارسل اسے کر دفتر کے ایک آدمی کو اس رپورٹ پر نشان لگا کر جو مجھے صبح پہونچی تھی۔ ڈاک خانہ میں بھیجا۔ کہ انہیں اس رپورٹ کا اتنا حصہ پڑھا آؤ۔ اور کہہ آؤ۔ کہ پارسل ہمیں بعد میں پہونچا ہے۔ لیکن یہ اطلاع پہلے پہونچی تھی۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم لوگوں میں سے کوئی

احرار کے دفتر میں

اطلاعات دیتا رہتا ہے۔ اس پر پوسٹ ماسٹر صاحب نے کہلا بھیجا۔ کہ میں اس واقعہ کی تحقیق کروں گا۔ وہ آدمی واپس آیا۔ تو اسی وقت

دفتر سے ایک اخبار مجھے بھیجا گیا

"احسان" تھا یا "مجاہد" مجھے صحیح یاد نہیں۔ میں نے جب اسے کھولا۔ تو اس میں پارسل کا ذکر بھی چھپا ہوا دیکھا۔ چنانچہ وہ پرچہ بھی میں نے انہیں بھجوا دیا۔ اب اس کے صاف طور پر یہ معنی ہیں۔ کہ

ڈاکخانہ کا عملہ

پارسلوں اور خطوط کی اطلاعات احرار تک پہنچاتا ہے۔ اور انہیں خبریں بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ ہم نے اس بارہ میں شکایت کی لیکن اب تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بلکہ جو افسر تحقیق پر مقرر ہوا اس کا رویہ نہایت افسوسناک رہا ہے اور وہ مجرموں سے بھی زیادہ جرم پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ ہمیں صرف یہ جواب ملا ہے یہ جو خبر لگی لاہور سے نکلی ہے قادیان کے ڈاکخانہ سے نہیں نکلی۔ اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ یہ اخبار سولہ تاریخ کا ہے اور جو پارسل قادیان میں سولہ کو پہنچا ہے اس میں سولہ کی خبر نہیں چھپ سکتی۔ بظاہر یہ ایک معقول بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ہے جھوٹ۔ اس لئے کہ خبر سترہ کے اخبار میں چھپی تھی اور سترہ کی مہر لگی ہوئی ہمارے پاس موجود ہے۔ سولہ کو پارسل قادیان پہنچا۔ سترہ کو دوپہر کے وقت تقسیم ہوا۔ سولہ کو بٹالہ سے فون کے ذریعہ سے خبر بھجوائی جا سکتی تھی۔ جیسا کہ احرار ان دنوں میں کرتے رہے ہیں اور شام کو چھپکر سترہ کو اخبار قادیان پہنچ سکتا تھا۔ ۱۷ کی مہر اس اخبار پر خود ڈاکخانہ کی لگی ہوئی موجود ہے۔ مگر افسروں کو دھوکا دینے کے لئے ماتحت عملہ اسے سولہ قرار دیدیتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ ایک قطعی ثبوت ہمارے پاس موجود ہے جس سے یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ یہ بات لاہور سے نہیں نکلی۔ اگر گورنمنٹ نے اس معاملہ میں تحقیق کی۔ تو اس کے سامنے وہ

یقینی اور قطعی ثبوت

پیش کردیا جائے گا۔ اب تک ہم نے اس کو ظاہر نہیں کیا لیکن اگر گورنمنٹ تحقیق کرے گی تو وہ یقینی اور قطعی ثبوت میں اس کے سامنے پیش کردوں گا۔ اس موقعہ پر میں اس کی تفصیل بتائے بغیر صرف اس قدر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ اس رپورٹ کا ایک حصہ غلط ہے۔ اگر وہ لاہور سے کسی کی رپورٹ ہوتی اور دوکان سے بات نکلتی تو وہ غلطی نہ ہوتی جو اس رپورٹ میں موجود ہے۔ آخر مجھ سے تو کوئی شخص یہ امید نہیں کر سکتا کہ میں بخاری کو مسلم یا مسلم کو بخاری کہہ دوں۔ یہ تو وہی کہہ سکتا ہے جس کو حدیث کا علم نہ ہو۔ پس رپورٹ کے ایک حصہ میں ایسی خطرناک غلطی ہے جو یقینی طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا منبع دوکان والے نہیں جو اپنی دوائیں خود ہی ناواقف نہیں ہو سکتے۔ پھر ہمارے پاس اس بات کا قطعی ثبوت موجود ہے کہ

ڈاکخانہ کے آدمی احراری ایجنٹوں کے پاس بیٹھتے ہیں

ہمارے پاس اس بات کے بھی گواہ موجود ہیں کہ ڈاکخانہ کے آدمیوں نے کہا۔ کہ انہیں ڈاکخانہ کے افسروں نے یقین دلایا ہے کہ احمدیوں کی شکائتوں پر انہیں کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ گورنمنٹ کا منشا ہے کہ احمدی یہاں نہ رکھے جائیں۔ پھر ایک قطعی ثبوت اس بات کا کہ اس تمام رویہ میں گورنمنٹ کے بعض افسروں کا ہاتھ کام کر رہا ہے یہ ہے کہ خانصاحب فرزند علی صاحب جب ایک افسر سے ملے تو اس نے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں۔ ہم آزاد ہیں ہم بھی بعض باتوں کی وجہ سے مجبور ہیں۔ جس کا صاف یہ مطلب تھا کہ گویا اس کو اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ تبدیلیاں نہ کی جائیں۔ حکومت پنجاب ایسی کسی ہدایت کے دینے سے انکار کرتی ہے۔ لیکن اوپر کے واقعہ کی موجودگی میں ہم مجبور ہیں۔ کہ تسلیم کریں کہ کسی لوکل افسر نے جھوٹ بولتے ہوئے ڈاکخانہ کے بعض افسروں کو دھوکا دیا ہے۔

میں گذشتہ ماہ میں سندھ گیا تھا اس سفر میں میری ڈاک کا یہ حال ہوا۔ وہ یہ ہے کہ جن خطوط پر ۳۔ ۴۔ اور ۵ تاریخ کی قادیان کی مہریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ مجھے ۱۱ تاریخ کو ملے۔ حالانکہ ۹ تاریخ کے خطوط بھی مجھے ۱۱ کو ملے۔ ان ۳۔۴ اور پانچ تاریخ والے خطوط پر کسی اور جگہ کی مہر نہیں۔ بعض خطوط ایسے بھی ہوتے جو غلطی سے کسی اور جگہ چلے گئے۔ لیکن ان پر ان دوسرے ڈاکخانوں کی مہریں تھیں جہاں وہ گئے۔ لیکن ان خطوط پر کسی اور جگہ کی مہر نہ تھی جو صاف طور پر اس بات کا ثبوت ہے کہ ان خطوط کو روکا گیا تھا۔ اور پھر کئی دن کے بعد انہیں روانہ کیا گیا۔ اسی طرح

"الفضل" کو دق کیا جا رہا ہے

اور متواتر اس کے پرچے لیٹ کئے جاتے ہیں یا بعض دفعہ بعض پرچے خریداروں کو پہنچتے ہی نہیں۔ اسی طرح جوابی کارڈ غلط مہریں لگا کر بعض دفعہ خط لکھنے والوں کو واپس کر دئے جاتے ہیں یہ کارروائیاں ہو رہی ہیں اور ان کی طرف متواتر افسروں کو متوجہ کیا جاتا ہے مگر اب تک کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اور جب بار بار توجہ دلانے کے باوجود ایک افسر نے کچھ کہا۔ تو یہ کہا کہ میں آزاد تھوڑا ہوں۔ جس کے معنے یہ تھے کہ اگر قادیان میں ایک بکری کے پیٹ میں بھی درد ہوتا ہے تو اس کی اطلاع اوپر جاتی ہے اور وہاں کے اشارہ سے اس بارہ میں کوئی کارروائی کی جاتی ہے۔ اب حال میں خانصاحب فرزند علی صاحب۔ چوہدری اسداللہ خان صاحب اور پیر اکبر علی صاحب پوسٹ ماسٹر جنرل سے ملے ہیں اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ میں اس طرف توجہ کروں گا۔ (اس خطبہ کے بعد خان صاحب مولوی فرزند علی خانصاحب پھر سپرنٹنڈنٹ صاحب ڈاکخانہ جات کو ملے ہیں اور انہوں نے بھی [illegible] اصلاح پیدا کرنے کا وعدہ کیا ہے) اگر یہ وعدے پورے ہو جائیں جیسا کہ آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذمہ وار حکام اس دفعہ حقیقت کو پاچکے ہیں اور حالات کی اصلاح کرنے پر تیار ہیں تو ہماری شکایات کا یہ حصہ ختم ہو جائے گا اور ہم باوجود گزشتہ تکالیف کے یقیناً اس محکمہ کے افسروں کے ممنون ہونگے۔ مگر آئندہ تو جو کچھ ہوگا ہوگا جب ہم گزشتہ دو سالوں پر نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ

تمام احمدیوں کو یہاں سے بدل دیا گیا

ہے۔ تو ہمارا شبہ اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ ریلوے میں ایک احمدی تھا اسے تبدیل کر دیا گیا۔ ڈاکخانہ میں دو احمدی تھے انہیں تبدیل کر دیا گیا۔ پولیس میں دو احمدی تھے انہیں تبدیل کر دیا گیا۔ ایک نائب پٹواری احمدی تھا اسے تبدیل کر دیا گیا ایک پٹواری کے متعلق شبہ تھا کہ وہ احمدی ہے اسے بھی یہاں سے بدل دیا گیا بجلی والے جن کی آمد کا ۹۰ فی صدی احمدیوں پر انحصار ہے کسی احمدی کو ملازم نہیں رکھتے اور کہتے ہیں ہمیں سرکاری افسروں کا حکم ہے کہ کسی احمدی کو ملازم رکھیں۔ چنانچہ اس وقت کسی محکمہ میں کوئی بھی اعلیٰ ملازمت والا احمدی نہیں (صرف ڈاکخانہ میں ایک چٹھی رساں ہے اور پولیس میں تو غریب کانسٹیبلوں تک کو تبدیل کر دیا گیا ہے۔ تو ان حالات کو دیکھ کر ہمارے دلوں میں

ایک منظم کوشش کا شبہ

پیدا ہونا قدرتی اور لازمی امر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ "حسن اتفاق" ہے۔ لیکن اگر یہ حسن اتفاق ہے۔ تو کیا یہ حسن اتفاق دنیا میں کہیں اور بھی پایا جاتا ہے۔ اس حسن اتفاق کے ماتحت کوئی کوشش تو کرے کہ کسی جگہ سے سب کے سب مسلمان نکل جائیں یا ہندوؤں کو الگ کر دیا جائے پس ہم ہرگز یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور نہ دنیا کا کوئی اور عقلمند یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوگا کہ یہ حسن اتفاق ہے یہ حسن اتفاق نہیں بلکہ سوء تدبیر ہے۔ ان چیزوں کے ذریعہ دنیا میں کبھی آپس میں محبتیں قائم نہیں رہتیں اور حکومتیں کبھی محبت کے بغیر دنیا میں قائم نہیں رہتیں۔ آخر کب تک ہم ان باتوں کو دیکھتے چلے جائینگے اور ہمارے دلوں میں محبت کے جذبات قائم رہینگے۔ یقیناً اس کی بہت بڑی ذمہ داری گورنمنٹ پر ہے اور جبکہ گورنمنٹ ان اخباروں اور رسالوں کو ضبط کرتی ہے جن کے ذریعہ [illegible] کے قلوب کو مجروح کیا جاتا ہے تو کیوں اسکے بعض افسر ایسا رویہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جس سے ایسی منافرت پھیلتی ہے کہ اکثر اخبار والے اس کا ہزارواں حصہ بھی منافرت نہیں پیدا کر سکتے۔ پانچویں مثال جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کے بعض افسر جماعت احمدیہ کو خواہ مخواہ دق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کل کا ایک واقعہ ہے جو بٹالہ میں ہوا کل بٹالہ میں ایک ریکروٹنگ افسر آیا تھا اسکے سامنے ہمارے احمدی نوجوان بھی پیش ہوئے۔ میں نے مولوی عبدالمغنی خانصاحب ناظر بیت المال کو انکے ساتھ بٹالہ بھیجا تھا انہوں نے بتایا کہ جب تمام نوجوان پیش ہوئے تو ایک ہندوستانی افسر وہاں یہ کہتا جا رہا تھا میری الگ بھی جائیں۔ یہ مسلمانوں کی بھرتی ہے یہاں مسلمانوں کے سوا اور لوگ نہیں لئے جائینگے۔ اس پر ایک دوسرے مسلمان افسر نے کہا جماعت احمدیہ کا مخالف تو میں بھی ہوں مگر میں گولی وہاں چلایا کرتا ہوں جہاں لگ جاتی ہے تم شاید ناواقف ہو تمہیں علم نہیں کہ یہ گورنمنٹ میں بہت رسوخ رکھنے والے ہیں اگر تم انہیں یہاں بھرتی نہیں ہونے دوگے۔ تو یہ اور جگہ بھرتی ہو جائیں گے

یہ گفتگو تو مولوی عبدالمغنی صاحب نے سُنی۔ اس کے علاوہ ایک اور احمدی دوست نے جو بٹالہ کے ہی ہیں۔ اور وہاں کے ایک رئیس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ سنا کہ ایک ہندو افسر انگریز افسر سے کہہ رہا تھا۔ صاحب یہاں مرزائیوں کی بھرتی نہیں کرنی۔ اس نے پوچھا مرزائی کیا ہوتے ہیں۔ وہ کہنے لگا یہ مسلمانوں میں ایسا ہی فرقہ ہے۔ جیسے ہمارے ہاں آریہ سماجی ہیں مسلمان بھی ان کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ بلکہ کافر سمجھتے ہیں۔ وہ انگریز افسر کہنے لگا۔ یہ مرزائی اپنے آپ کو کیا کہتے ہیں وہ کہنے لگا کہتے تو اپنے آپ کو مسلمان ہی ہیں۔ وہ کہنے لگا۔ جب یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ تو پھر تو ہمارے لئے یہ بڑی مشکل ہے۔ کہ ہم ان کو بھرتی نہ کریں۔ وہ کہنے لگا۔ نہ صاحب حکومت کا بھی یہی منشاء ہے۔ کہ کم سے کم گورداسپور ... کہ ضلع میں مرزائی بھرتی نہ لئے جائیں۔ چنانچہ مولوی عبدالمغنی خانصاحب جب بعد میں اس انگریز افسر سے ملے۔ تو اس نے خاص طور پر سوال کیا۔ کہ آپ مرزائی یا احمدی کیوں کہلاتے ہیں۔ آپ لوگ مسلمان ہیں یا نہیں۔ آپ میں اور دوسرے مسلمانوں میں کیا فرق ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی جماعت پنجاب میں ایسی ہے۔ چاہے وہ حکومت کے سیکرٹری ہوں۔ چاہے ماتحت ارکان ہوں۔ جو اندر ہی اندر لوگوں کے قلوب پر ہماری جماعت کے خلاف اثر ڈال رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں۔ کہ

حکومت کی ملازمتوں کے دروازے احمدیوں پر بند

ہو جائیں۔ میں آج صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم حکومت کی نوکریوں کے محتاج نہیں۔ مگر حکومت کو بھی چاہیئے۔ کہ وہ کھلے طور پر اعلان کر دے۔ کہ آئندہ احمدیوں کو سرکاری ملازمتوں میں نہیں لیا جائیگا۔ کچھ افسر کچھ کہتے رہیں اور کچھ افسر کچھ کرتے رہیں۔ یہ بے اصولی بات ہے۔ میں تو آگے ہی اپنی جماعت کے لوگوں سے کہتا رہتا ہوں۔ کہ چھوڑ دو ان نوکریوں کو اور جاؤ دنیا میں خداتعالےٰ کی نوکری کرو۔ تجارت کرو۔ زراعت کرو صنعت و حرفت میں ترقی کرو۔ اور اسطرح جہاں اپنی روزی کماؤ۔ وہاں خداتعالیٰ کا نام بھی دنیا میں پھیلاؤ۔ اگر گورنمنٹ اعلان کر دے۔ تو جیسا کہ کہتے ہیں بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ میں ذاتی طور پر اس ظلم کو بھی جماعت کے لئے ایک مبارک فال ہی سمجھونگا۔ میں تو پہلے ہی لوگوں سے کہہ رہا ہوں۔ کہ وہ غیر ملکوں میں نکل جائیں۔ بھوکے رہیں پیاسے رہیں ننگے رہیں۔ آخر اللہ تعالےٰ ان کی ترقی کے راستے کھول دیگا۔ اور قومی کیریکٹر بھی مضبوط ہوگا۔ مگر گورنمنٹ کا فرض ہے۔ کہ وہ کھل کر ایک دفعہ ہم سے کہہ دے۔ کہ تم آئندہ باغی سمجھے جاؤ گے تا اگر پھر جنگ شروع ہو۔ تو کوئی افسر یہ نہ کہنا شروع کر دے۔ کہ لاؤ اپنے احمدیوں کو ملک کی خدمت کے لئے پیش کرو مصیبت کے وقت اگر گورنمنٹ نے ہمیں بلانا ہے۔ تو اب آرام میں بھی ہمارے حقوق ہمیں دے۔ اور اگر مصیبت کے وقت اس نے ہمیں نہیں بلانا۔ تو پھر بیشک ہم اب بھی اپنے حقوق کا اس سے مطالبہ نہیں کرتے۔ جوں جوں ہماری جماعت بڑھتی اور ترقی کرتی چلی جائے۔ حکومت نئے افراد کو غیر فوجی قرار دیتی جائے۔ یا کہتی جائے۔ کہ تمام سرکاری ملازمتیں انہیں نہیں مل سکتیں۔ ہم سے پہلوں نے تو اس سے بہت زیادہ قربانیاں کی ہیں۔ پھر ہمارے لئے اس میں گھبراہٹ کی کونسی بات ہو سکتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس ایک دفعہ صحابہؓ نے شکایت کی۔ کہ یا رسول اللہ ہم پر کفار کی طرف سے

بہت مظالم ہونے لگ گئے ہیں

آپ ان کے لئے بددعا کریں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔ کہ تم سے پہلے لوگوں کو اس سے بہت زیادہ تکلیفیں پہنچیں۔ وہ سر سے لیکر پیر تک آروں سے چیر دیئے گئے۔ مگر انہوں نے اُف نہ کی تم بھی صبر کرو۔ اور ان تکلیفوں سے نہ گھبراؤ۔ پس اگر صحابہؓ کو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ انہوں نے وہ تکلیفیں برداشت نہیں کیں جو پہلی امتوں نے برداشت کیں۔ تو ہماری جماعت نے تو ابھی صحابہؓ جیسی قربانیاں بھی نہیں کیں پھر ہم کیوں گھبرا جائیں۔ ہم تو کہتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا جو منشاء ہے وہ ہو جائے۔ لیکن گورنمنٹ کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے۔ صفائی سے کہدے یہ کوئی صحیح طریق نہیں۔ کہ حکام میں سے ایک فریق کچھ کہتا جائے۔ اور دوسرا پوشیدہ طور پر کچھ اور کہتا جائے جس حکومت کے افسروں میں ہی اتفاق نہ ہو۔ اس کو نقصان پہونچنا لازمی ہے۔ پس اگر حکومت چاہتی ہے تو صاف طور پر کہدے۔ کہ آئندہ ملازمتیں احمدیوں کو نہیں ملینگی۔ تو سوائے ان ملازمتوں کے جو امتحانوں کے ذریعہ سے ملتی ہیں۔ ہم دوسری ملازمتوں کے لئے حکومت کے پاس نہیں جائیں گے۔ اور

میں ذمہ لیتا ہوں

کہ ہماری جماعت اس پر کوئی شور نہیں مچائیگی۔ اور نہ ہم گورنمنٹ کی نسبت اپنے دل میں کوئی بغض رکھینگے۔ مگر پوشیدہ اور مخفی کارروائیوں سے ہمارے دلوں کو ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ چھوٹی مثال

عیدگاہ کا واقعہ

ہے۔ جس میں ہمارے آدمی زمین ہموار کرنے کے لئے گئے۔ تو پولیس نے کدالیں اور ٹوکریاں چھین کر انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ اور کیمرے والوں کے کیمرے چھین لئے۔ اس میں پہلی بات تو یہ ہے۔ کہ عدالت میں ہماری طرف سے درخواست دی گئی۔ کہ ہمیں کیمرے واپس دیئے جائیں۔ کیونکہ اس موقعہ کے جو فوٹو لئے گئے تھے۔ وہ ہمیں حق بجانب ثابت کرتے تھے۔ مجسٹریٹ نے ہماری درخواست سنکر فیصلہ کیا۔ کہ اگلی تاریخ پر اس کے متعلق فیصلہ کیا جائیگا لیکن جب اگلی تاریخ آتی ہے۔ تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ہم نے اپنے طور پر انہیں ڈولپ کرایا تھا۔ مگر فلم اندر سے خالی نکلے۔ حالانکہ اگر وہ ہمیں کیمرے واپس کرنا نہیں چاہتے تھے۔ تو ان کا فرض تھا۔ کہ وہ پہلی تاریخ پر ہی فیصلہ کر دیتے۔ کہ ہم نہیں دینگے تا ہمیں ان کے ارادوں کا علم ہو جاتا۔ اور ہم اپنے حق کے حصول کیلئے ہائی کورٹ میں اپیل کر سکتے مگر ہمیں تو یہ کہا گیا۔ کہ اگلی تاریخ کو اس درخواست کا فیصلہ کیا جائیگا۔ اور درمیان میں انہیں خود بخود ڈولپ کرا لیا گیا۔ اور کہدیا گیا۔ کہ وہ اندر سے خالی نکلے۔ حالانکہ فلم کا خالی کرنا کیا مشکل ہوتا ہے ذرا دھوپ لگا دی۔ تو تصویر اڑ جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ مقدمہ ایک دوسرے مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا۔ اور

پولیس کی طرف سے دو سکھ گواہ

پیش ہوئے۔ ان کی گواہی ایسی تھی۔ کہ خیال کیا جا سکتا تھا۔ کہ شاید عدالت کے دل پر اس گواہی کی وجہ سے احمدیوں کے حق میں اثر پڑے گا اس پر حاکم ضلع نے مسل خود طلب کر لی چنانچہ جب مقدمہ کی سماعت میں دیر ہوئی۔ اور ہمارے آدمیوں نے وجہ پوچھی۔ تو عدالت نے بتایا۔ کہ مسل ضلع میں منگوائی گئی ہے۔ اس کے بعد معلوم ہوا۔ کہ حاکم ضلع نے ان گواہوں کو اپنے پاس طلب کیا۔ اور زبردست افواہ ہے۔ کہ ان سے ایک افسر نے کہا۔ کہ ہم نے معتبر ذریعہ سے سُنا ہے۔ کہ تم کو احمدیوں کے خلیفہ نے بلا کر پچاس روپے دیکر گواہی سے پھر الیا ہے یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ جب وہ گواہ بالا افسروں کے سامنے پیش ہوئے۔ تو ایک پولیس کے افسر نے انہیں علیحدگی میں کہا۔ کہ تم کہدو۔ کہ خلیفہ صاحب نے پچاس روپیہ ہمیں رشوت دیکر کہا تھا۔ کہ اس رنگ میں گواہی دو۔ اس طرح تم لوگ تکلیف سے بچ جاؤ گے۔ میرا پہلا جواب تو اس کے متعلق یہ ہے۔ کہ لعنة اللّٰہ علی الکاذبین

جھوٹے پر خداتعالےٰ کی لعنت ہو

اور دوسرا جواب یہ ہے۔ کہ اگر مجھے ذرا بھی اس واقعہ کی تصدیق ہو گئی۔ تو میں اللہ تعالےٰ کے فضل اور اس کی مدد سے اس فریب کو ظاہر کرکے چھوڑونگا۔ جو اس کے پس پردہ کام کر رہا ہے

اس قسم کی تلقین کی غرض یہ ہو سکتی ہے۔ کہ مجھے بدنام کیا جائے۔ مگر وہ یاد رکھیں۔ مجھے وہ بدنام نہیں کر سکتے۔ کیونکہ جن لوگوں کا مجھ سے تعلق ہے۔ وہ مجھے جانتے ہیں۔ وہ میرے حالات اور خصائل سے واقف ہیں۔ اور وہ سمجھتے ہیں۔ کہ اگر سارے برٹش انڈیا کے افسر مل کر بھی ایک بات کہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں مَیں ایک بات کہوں۔ تو سچی بات وہی ہوگی۔ جو میں کہونگا۔ پھر قادیان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ کہ یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔ میں نے ان سکھ گواہوں کے کل ہی نام سُنے ہیں۔ اور میں نے آج تک انہیں کبھی دیکھا نہیں۔ اور نہ یاد ہے۔ کہ وہ کبھی مجھ سے ملے ہوں۔ مگر کیا وہ ان چالبازیوں سے صداقت پر پردہ ڈال سکتے ہیں۔ ادھر دوران مقدمہ میں ہی ڈپٹی کمشنر صاحب کا مسل منگوالینا اُدھر ایک افسر کا یہ بات کہنا جماعت احمدیہ کے قلوب میں

افسروں کے متعلق شکوک

پیدا کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔ آخر ایک مقدمہ جب عدالت میں چل رہا ہو۔ تو پہلے عدالت کو اس کا موقعہ ملنا چاہئیے۔ کہ وہ فیصلہ کرے کہ آیا گواہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ یا پولیس نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ کیا کہ عدالت کے فیصلہ سے پہلے ہی ایگزیکٹو دخل اندازی کرنی شروع کر دے۔ اور بعض افسر اپنا بغض نکالنا شروع کر دیں۔ میں نہیں جانتا۔ اس معاملہ میں انگریزی حکومت کا کیا دستور ہے لیکن چار یا پانچ دن ہوئے۔ حکومتِ پنجاب کے ہوم سیکرٹری نے کونسل میں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ ہم

عدالت کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتے

میں ان سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر عدالت کے معاملات میں دخل نہیں دیا جاتا۔ تو اس کے کیا معنے ہیں۔ کہ ایک مقدمہ ایک عدالت میں چل رہا ہے۔ اور فیصلہ سے پہلے ہی اس کی مسل منگوالی جاتی ہے۔ اور گواہوں کو بھی بلایا جاتا اور ان پر اثر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اگر اس سے مقصد میری بدنامی ہے تو وہ ہو نہیں سکتی۔ باقی مجھے بھی اس کا علاج کرنا آتا ہے۔ اور میں اس کوشش کے لئے مجبور ہونگا۔ کہ اگر یہ بات سچ ہے۔ تو یا حکومت مجھ پر مقدمہ چلائے یا مجھے اور اس افسر کو جس نے یہ حرکت کی ہے۔ قسم کھلائے۔ خدا تعالےٰ نے ہمیں وہ عقلیں دی ہیں۔ جن کے

ماتحت قانون کے اندر رہتے ہوئے ہم گورنمنٹ کو مجبور کر سکتے ہیں۔ کہ وہ اپنی صفائی پیش کرے یہ ہمارا رحم ہے۔ جو ہم نے ابھی تک اس قسم کی کوشش شروع نہیں کی۔ ورنہ

نہ ہم قید سے ڈرتے ہیں نہ پھانسیوں سے

کیونکہ مومن سے بڑھکر اور کوئی بہادر نہیں ہوتا۔ ممکن ہے۔ گورنمنٹ بعض حالات میں ہمیں مجرم سمجھ لے۔ اور قید کر دے۔ مگر جب ہم سے بالا لوگ قید ہو چکے ہیں۔ تو ہمیں قید سے کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ بلکہ اگر حکومت کے بعض افسر ایسے حالات اختراع کر دیں۔ جن کے نتیجہ میں پھانسی کی سزا ملتی ہو۔ تو بھی ہم کو کیا خوف ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہم سے بالا لوگ بھی لٹکائے جا چکے ہیں۔ مومن جانتا ہے کہ جس وقت خدا تعالےٰ نے اُسے اٹھانا ہوگا اٹھالے گا۔ اور وہ اسی وقت اٹھائے گا۔ جب وہ کام ہو جائے گا۔ جو اس نے اپنے بندہ سے لینا تھا۔ اور جب کام ہو چکے۔ تو پھر

مومن کو اپنی موت سے کیا ڈر ہو سکتا ہے

ہم جب دُنیا میں ایسی آگ لگا جائیں۔ جو کفر اور شرک کو خس و خاشاک کی طرح جلا کر راکھ کر دے۔ جب ہم دُنیا میں وہ آگ لگا دیں جو شیطنت کو بھسم کر دے۔ تو اس کے بعد اگر ہم دُنیا سے اٹھالئے جاتے ہیں۔ تو اس میں کیا حرج ہے۔ دنیا میں کون ایسا انسان ہے جو ہمیشہ رہا۔ ہمارا منشاء تو شیطان کی عمارت کو ایک آگ لگانا ہے۔ جب وہ آگ لگ جائے۔ تو پھر خدا تعالےٰ کی مشیّت چاہے قید کی صورت میں آجائے۔ یا پھانسی کی صورت میں۔ خواہ معمولی موت کی صورت میں ہمیں اس سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ جو کام ہمارے سپرد کیا گیا تھا۔ وہ ختم ہو گیا۔

ساتویں بات یہ ہے۔ کہ

احرار برابر گالیوں میں بڑھتے چلے جا رہے ہیں

اور حکومت کی طرف سے ان کے روکنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ میں اس موقعہ پر یہ ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ چودھری اسداللہ خانصاحب نے پنجاب کونسل میں بعض تقریریں کیں۔ اس پر ایک گورنمنٹ افسر نے چودھری صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔ گورنمنٹ تو آپ کی دوست ہے۔ مگر آپ اور پیر اکبر علی صاحب اس کے خلاف تقریریں کر کے خواہ مخواہ اسے دشمن بنا رہے ہیں۔ چودھری صاحب نے تو جو جواب دیا ہوگا۔ دیا ہوگا۔ میں ان سے کہنا چاہتا ہوں۔ کہ دوستی کی کوئی علامت بھی تو ہوا کرتی ہے۔ دوست تو ہم ہیں۔ کہ باوجود اس قدر اشتعال انگیز حالات کے ہم نے حکومت کے خلاف کوئی حرکت نہیں کی۔ میں نے ایک سکیم بھی سوچی تھی۔ اور میں امید کرتا ہوں۔ کہ اس سکیم کے ماتحت حکومت کو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے رویہ پر نظرِ ثانی کرے۔ مگر جب حکومت نے کسی قدر ہماری تسلی کی کوشش کی۔ تو میں نے دیانتداری سے اس سکیم کو نظر انداز کر دیا۔

شہید گنج کے موقعہ پر

خاص طور پر ہم اس میں حصہ لے سکتے تھے۔ مگر ایک طرف یہ دیکھکر کہ ہمارے حصہ لینے سے مسلمان شور مچا پڑیں گے۔ اور اس طرح ان میں کمزوری پیدا ہوگی۔ اور دوسری طرف گورنمنٹ کو خواہ مخواہ مصیبت میں پھنسانے سے احتراز کرتے ہوئے ہم نے اس میں حصّہ نہ لیا۔ مگر گورنمنٹ نے پھر بھی ہم پر الزام لگا دیا۔ پس اگر دوستی سے پچھلے چند دنوں کی خاموشی مراد ہے۔ تو شاید یہ اعتراض درست ہو لیکن اگر دوستی کے معنے صلح اور محبت کے ہیں۔ تو پھر یہ صحیح نہیں۔ کہ گورنمنٹ ہماری دوست ہے ہم اب بھی تیار ہیں۔ کہ بہت سی باتوں کو معاف کر دیں۔ ہم اب بھی تیار ہیں۔ کہ بہت سی باتوں کو بھول جائیں۔ مگر کچھ باتیں ایسی ضرور ہیں۔ جن میں گورنمنٹ کو ہماری مرضی کا پورا کرنا

ضروری ہے۔ جیسے گالیوں کا سلسلہ ہے۔ کہ اسے بند کرنا گورنمنٹ کا فرض ہے۔ یا جماعت احمدیہ سے ناواجب اور ناروا سلوک کرنے والے افسروں کو بدلنا ہے۔ یہ بھی گورنمنٹ کا فرض ہے۔ اور اس کا کام ہے۔ کہ وہ انہیں تبدیل کرے۔ مگر اس رنگ میں کہ ہماری برأت ثابت ہو۔ اور آئندہ کسی کو ویسی حرکات کی جرأت نہ ہو۔ کیونکہ دوستی کی کوئی علامت آخر گورنمنٹ بھی تو ظاہر کرے۔ ہم تو ہمیشہ سے امن پسند ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ تفرقہ و فساد نہ ہو۔ ہمیں نہ مسلمانوں سے دشمنی ہے۔ نہ ہندوؤں سکھوں اور عیسائیوں سے۔

ہم ہر ایک کے دوست بن کر رہنا چاہتے ہیں

مگر کوئی امن سے رہنے بھی تو دے۔

لیکن باوجود ہماری طرف سے امن پر قائم رہنے کے اگر حکومت اپنا رویہ نہ بدلے تو میں اس سے کہونگا۔ کہ

فتنہ کو کم سے کم حلقہ میں محدود کرنے کیلئے

اسے چاہیئے۔ کہ جماعت پر یہ بات کھول دے کہ اقتصادی طور پر اسے حکومت سے کوئی فائدہ اٹھانیکا حق حاصل نہ ہوگا۔ اس سے بھی بہت سی تلخی دور ہو جائیگی۔ کیونکہ امید کے بعد ناامیدی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ لیکن جب کوئی سمجھ لے۔ کہ میرا کوئی حق نہیں تو اسکا شکوہ بھی کم ہو جاتا ہے۔ اسے چاہیئے کہ یہ اعلان کر دے۔ کہ آئندہ سرکاری ملازمتوں میں احمدیوں کو نہیں لیا جائیگا۔

ہماری جماعت کے لوگوں کو ایسے اعلان سے گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ لاکھوں تدبیریں ابھی جو اختیار کی جا سکتی ہیں۔ اگر ملازمتوں کے دروازے گورنمنٹ بند کر دے تو ہمارے نوجوان تجارت وغیرہ کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہونگے۔ اس وقت

دو نہایت زبردست حکومتیں

ہندوستان میں اپنے تعلقات وسیع کرنے کے لئے کوششیں کر رہی ہیں اور وہ غیر معمولی مدد دینے کے لئے بھی تیار ہیں۔ مثلاً وہ اس بات پر تیار ہیں۔ کہ تجارتی مال دیں مگر اس کے بدلہ میں روپیہ نہ لیں۔ بلکہ ہندوستانی مال مثلاً گیہوں لے لیں یا کپاس لے لیں۔ اس طرح تجارت میں بہت کچھ سہولت پیدا ہو گئی ہے۔ بے شک ابتداء میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے تکلیف ہوگی۔ مگر خطرات میں پڑے بغیر انسانی اخلاق میں مضبوطی نہیں پیدا ہوتی عقلمند ان تکلیفوں کو بھی

خدا تعالیٰ کی رحمت

سمجھا کرتے ہیں۔ اگر اس تجربہ میں ہمارے نوجوان کامیاب ہو گئے۔ تو وہ اپنی روزی کمانے کے ساتھ ساتھ ان افسروں کو بھی سزا دیدیں گے۔ جو ہمیں ناحق دکھ دیتے ہیں۔ کیونکہ اسی طرح لاکھوں کی تجارت انگلستان کے ہاتھ سے نکل کر دوسری قوموں کے ہاتھ میں چلی جائے گی۔ بلکہ میں کہتا ہوں دوسری قوموں سے تجارتی تعلق پیدا کرنے سے بھی زیادہ مفید یہ ہے کہ خود

صنعت و حرفت کی طرف ہماری جماعت توجہ کرے

تاکہ ہر قسم کے سیاسی اثر سے محفوظ ہو جائے گذشتہ جدوجہد کے زمانہ میں یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ زمیندار افسروں سے زیادہ مرعوب ہوتا ہے بہ نسبت تاجروں کے پس تجارت اور صنعت و حرفت کی طرف ہماری جماعت کو زیادہ توجہ چاہیئے۔ تاکہ کسی کی محتاجی باقی ہی نہ رہے خود صنعت و حرفت کی طرف توجہ کریں۔ اور تجارت غیر ملکوں سے بڑھانے کی کوشش کریں جو قانوناً جائز فعل ہے۔ کوئی قانون ہمیں اس بات پر مجبور نہیں کرتا۔ کہ ہم ضرور انگریزی مال لیں بے شک

ہم بائیکاٹ کے مخالف ہیں۔

مگر بغیر بائیکاٹ کئے کے کوئی دوسرا طریق اختیار کرنا تو منع نہیں۔ اگر ہم ایسا کرنے لگیں تو کانگرس بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جائے گی۔ کانگرس میں اس وقت کوئی تنظیم نہیں۔ اگر ہم ایک تنظیم کے ساتھ یہ کام کرنے لگیں تو ہزاروں ہندو اور سکھ ہم سے مل جائیں گے اور قانون شکنی کا خیال لوگ بھلا دیں گے اور اس طرح بالواسطہ طور پر بھی حکومت کی ایک خدمت کر دیں گے اور ساتھ ہی قانون کے اندر رہتے ہوئے خود نفع کماتے ہوئے ہم اپنے حقوق بھی حاصل کر سکیں گے۔ اور یہ صرف ایک ہی طریق نہیں ایسے بیسیوں طریق ہیں جن سے جماعتیں اپنے آپ کو ملازمتوں سے آزاد کر سکتی ہیں۔ جب ملازمتوں کے رستے بند ہو نگے تو خود بخود ہماری جماعت کے دماغ دوسری راہوں کی دریافت اور ان پر چلنے کی طرف متوجہ ہونگے۔ مگر ہم صبر کا دامن نہیں چھوڑیں گے اور خواہ مخواہ حکومت کے لئے مشکلات پیدا نہیں کریں گے اور کوشش کریں گے کہ چند افسروں کی وجہ سے حکومت کے لئے

مشکلات پیدا کرنیکا موجب

نہ بنیں۔ مگر جو سلوک ہم سے کیا جا رہا ہے۔ نہایت تکلیف دہ ہے۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر کب تک ہم ان باتوں کو برداشت کرتے چلے جائیں گے۔ کب تک ہم اپنے امن کو برباد ہوتا دیکھیں گے۔ یقیناً ایک وقت آئیگا۔ جب مجبور ہو کر ہمیں ان ذرائع کو اختیار کرنا پڑے گا جو ہمیں ان تکالیف سے بچائیں اس لئے میں ایک دفعہ پھر حکومت کو توجہ دلا دیتا ہوں۔ کہ وہ اب بھی اپنے رویہ پر غور کرے ہم اس بات پر تیار ہیں کہ اس سے صلح کر لیں۔ مگر اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بڑی بڑی باتوں میں ہماری شکایتوں کو دور کرے۔ آج حکومت اپنے آپ کو ہماری مدد سے مستغنی سمجھتی ہے۔ مگر میں اس نگاہ سے دیکھ رہا ہوں۔ جس نگاہ سے وہ نہیں دیکھ رہی۔ کہ حکومت کو پھر مشکلات پیش آنے والی ہیں اور آسمان سے خدا تعالیٰ یہ ثابت کر دیگا کہ کل کو پھر حکومت پھر ہماری مدد کی محتاج ہوگی۔ پھر کل کے افسر ہمیں کہیں گے کہ آؤ ہماری مدد کرو اور پچھلے افسروں کے رویہ کو نظر انداز کر دو مگر میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آج انہوں نے ہماری شکایات کو دور کرنے کی کوشش نہ کی۔ تو کل ان کا ہمیں اپنی مدد کے لئے بلانا بے کار ثابت ہوگا۔ اور ہم قانون شکنی سے بچتے ہوئے اپنی جماعت کی عزت کے لئے دوسرے ذرائع اختیار کر کے اللہ نکالیں گے جن کو اختیار کر کے ہم حکومت کی مہربانیوں سے آزاد ہو جائینگے۔ مگر

ہم ہرگز کوئی خفیہ کام نہیں کریں گے

منصوبے اور گٹھ جوڑ بھی نہیں کریں گے۔ علی الاعلان کریں گے اور حکومت کے قانون کے اندر رہ کر کریں گے یہاں تک کہ انگریزوں کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان باتوں میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر وہ ہم کو ان ذرائع کے اختیار کرتے سے روکیں گے تو ملک میں بھی شورش برپا ہو جائیگی اور دنیا میں بھی ان کی بدنامی ہوگی۔ انگریزی فطرت کو ہم جانتے ہیں وہ کھلی بے انصافی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ پس ہم اس سے یہ امید نہیں کر سکتے۔ کہ وہ خود ہی قانون بنائے اور ان کے اندر رہ کر کام کرنے والوں کے خلاف کارروائی کرے کہ بے انصاف بن جائے۔ پس میں پھر ایک طرف حکومت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ انصاف سے کام لے اور ان فتنہ انگیزیوں کو روکنے کی طرف متوجہ ہو اور دوسری طرف جماعت سے بھی کہتا ہوں کہ وہ زیادہ تر نوکریوں کی طرف توجہ نہ کرے بلکہ تجارت زراعت اور صنعت و حرفت کے کاموں کو اختیار کرے۔ مگر

بعض بے وقوف

ایسے ہیں جو اب تک مجھے لکھتے رہتے ہیں۔ کہ فلاں افسر کے پاس ہماری سفارش کر دیں۔ نہ معلوم وہ لوگ میرے خطبے پڑھتے ہیں یا نہیں پڑھتے اور اگر پڑھتے ہیں تو کیوں سمجھتے نہیں۔ میں متواتر جماعت کو بتا رہا ہوں کہ حکومت کے بعض افسر ہمارے امن کو برباد کر رہے ہیں وہ ہماری کسی بات پر کان نہیں دھرتے۔ بلکہ ہمیں نقصان پہنچانے اور ہماری طاقت کو توڑنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر وہ احمق مجھے لکھتے ہیں کہ ہماری سفارش کر دیں۔ میں نے تم کو وہ راستہ بتا دیا ہے جس سے تم اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ

خدا تعالیٰ کے حضور گرو اور اسی سے دعائیں کرو

جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ اس پر سے روزے رکھو۔ مگر معلوم نہیں تمہیں کیا عادت ہو گئی ہے کہ تم خدا تعالیٰ کی بجائے بندوں کے پاس جانا پسند کرتے ہو۔ میں تمہیں نوکریوں سے منع نہیں کرتا۔ بے شک تم اچھی سے اچھی ملازمت کے لئے کوشش کرو لیکن یہ سمجھ لو کہ سب لوگوں کو نوکریاں نہیں مل سکتیں۔ اس لئے علاج یہی ہے کہ تم اپنا رزق خدا سے مانگو۔ وہ معمولی معمولی کاموں میں بھی بعض دفعہ اتنی ترقی دیدیتا ہے کہ لوگ رشک کی نگاہوں سے دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ پس تم

قربانیوں کے لئے تیار ہو جاؤ

اور اس بات پر آمادہ رہو کہ اگر تمہیں بھوکا رہنا پڑے۔ پیاسا رہنا پڑے ننگا رہنا پڑے تب بھی تم ان تکالیف کو برداشت کرو گے جب یہ روح پیدا کرو گے تو اللہ تعالیٰ غیب سے خود بخود تمہارے لئے کئی رستے کھول دیگا۔ تام چینی کے برتن جس شخص نے بنائے ہیں وہ پہلے نواب تھا لاکھوں روپیہ کا مالک تھا مگر جب اس نے یہ کام شروع کیا تو اپنا سارا روپیہ اس نے خرچ کر دیا مگر پھر بھی کامیاب نہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے بیوی کے زیور بیچنے شروع کر دیئے وہ روپیہ ختم ہوا تو دوستوں اور رشتہ داروں سے قرض لیکر کام کرنا شروع کر دیا۔ جب بالکل اس کی آخری نوبت پہنچ گئی تو بیس سال کی محنت تلاش اور جستجو کے بعد وہ تام چینی کے برتن بنانے میں کامیاب ہوا اور اس کے بعد اسی کام سے وہ کروڑ پتی ہو گیا۔ پس صنعت و حرفت کرو اور اپنی ہمت کو بلند کرو۔ تجارت اور صنعت و حرفت کے ذریعہ اس قدر آمد ہوتی ہے کہ نوکریاں میں اتنی آمد نہیں ہوتی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نوکریاں نہ کرو۔ جب تک حکومت روک نہیں دیتی اس وقت تک بے شک نوکریاں کرو۔ لیکن روک دے تو گھبراؤ نہیں بلکہ کہہ دو کہ

ملکِ خدا تنگ نیست پائے گدا لنگ نیست

خدا تعالیٰ نے دنیا کو نہایت وسیع بنایا ہے ایک جگہ اگر رستہ بند ہو تو وہ دوسری جگہ رزق کا رستہ کھول دیتا ہے اور ہمارا رزق تو خدا تعالیٰ کے عرش پر موجود ہے اور اسی نے ہمیں دینا ہے پس اسی سے مانگو اور دعائیں کرو۔ میں نے کوشش کی ہے کہ محبت پیار نرمی اور دلائل سے حکومت پر تمام باتیں واضح کر دوں لیکن اگر باوجود اس کے حکومت ہماری شکایتوں کو دور کرنے کیلئے تیار نہ ہو تو دنیا گواہ ہے کہ ہم نے امن قائم کرنے اور حکومت سے تعاون کرنے کی پوری پوری کوشش کی ہے لیکن حکومت نے ہماری طرف محبت کا ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اسکے بعد بھی اگرچہ میں کوشش کرونگا کہ ہماری طرف سے حکومت کے ساتھ تعاون ہو۔ لیکن اگر اس حد تک تعاون نہ ہو سکے جس

رشتہ کی ضرورت

ایک ہونہار بارو زگار خوش سیرت و خوش صورت ککے زئی قوم کے ایک معزز شہری خاندان کے ممبر مخلص احمدی نوجوان کے لئے جن کی اس وقت قریباً دو سو روپیہ ماہوار آمد ہے۔ مناسب اور موزوں رشتہ کی ضرورت ہے۔ اس کے متعلق گفتگو یا خط و کتابت پتہ ذیل پر کی جائے ؎

خاکسار:۔ محمد اسمٰعیل عفی عنہ (پروفیسر جامعہ احمدیہ) قادیان

موصیوں کے متعلق رپورٹ

موصیوں کے تقوے و طہارت کے متعلق ہر سال باقاعدہ رپورٹ دفتر میں آنی چاہیئے اس سال کی رپورٹ ۳۰ر اپریل ۱۹۳۶ء تک ضرور بھیج دی جائے

سیکرٹری مقبرہ بہشتی قادیان

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ غلام قادر خان ولد سندھی خان ذات راجپوت ساکن موضع سٹروعہ تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۱۵-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۱۴-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ جعفر علی شاہ ولد برکت علی شاہ ذات سید ساکن موضع کالیوال گڑھ تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۲۲-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۲۴-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ مبارک علی خان ولد مولا بخش خان ذات راجپوت ساکن موضع گڑھ شنکر تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۲۴-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۲۳-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ جیون ولد لکھو ذات گوجر ساکن موضع فتح پور خورد تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۲۰-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۲۰-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ عبدالکریم عبداللہ پسران صوبا ذات جٹ ساکن موضع بوتھ گڑھ تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۲۸-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۲۸-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ علی محمد ولد ہیرا ذات گوجر ساکن موضع بوتھ گڑھ تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۱-۵-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۲۵-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ رحمن ولد نور بخش ذات گوجر ساکن موضع فتح پور خورد تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۲۹-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۲۵-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ عطا محمد ولد صوبے خان ذات پٹھان ساکن موضع کالیوال گڑھ تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۳۰-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۲۵-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ ولایت خان ولد رلدو خان ذات راجپوت ساکن موضع چیام تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۱۵-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۱۴-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ محمد اکبر ولد عمر الدین ذات گوجر ساکن موضع نتھا ننگل تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۱۵-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے۔ تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۱۱-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

نوٹس زیر دفعہ ۱۲ مطابق قاعدہ نمبر ۱ ایکٹ امداد مقروضین پنجاب ۱۹۳۴ء
بحکم رائے صاحب لالہ شو شنکر صاحب بہادر چیئرمین مصالحتی بورڈ گڑھ شنکر

بذریعہ نوٹس ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ فضل محمد ولد عبداللہ خان ذات راجپوت ساکن موضع مندوہ تحصیل گڑھ شنکر ضلع ہوشیارپور بذریعہ دفتر مختار طفیل محمد و سماۃ دولی و سماۃ رحمی نے درخواست زیر دفعہ ۹ ایکٹ مذکور دی ہے اور بورڈ نے ۱۴-۴-۳۶ تاریخ بمقام گڑھ شنکر برائے سماعت درخواست مذکور مقرر کی ہے تمام قرضخواہان مقروض مذکور یا دیگر اشخاص واسطہ دار کو چاہیئے کہ تاریخ مقررہ پر بورڈ کے روبرو اصالتاً حاضر ہوں۔ مورخہ ۱۱-۳-۳۶
(مہر عدالت) (دستخط)

ہندوستان اور ممالک غیر کی خبریں

لنڈن یکم اپریل- لارڈ یوسٹیس پرسی نے کابینہ سے استعفیٰ دیدیا ہے۔ مگر اس افواہ کی تردید کردی گئی ہے۔ کہ انہوں نے معاہدہ لوکارنو کے وائٹ پیپر سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ ایک سرکاری اعلان میں لکھا ہے۔ کہ موجودہ حکمت عملی پر کابینہ میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔

لنڈن یکم اپریل- فان ربن ٹراپ جرمنی کے مندوب لنڈن پہونچ گئے ہیں۔ خیال ہے۔ کہ وہ ہٹلر کی آخری تجاویز لیکر آئے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے۔ کہ وہ ایک جواب لائے ہیں۔ جو بحث کے دوران میں پیش کیا جائیگا۔

برلن یکم اپریل- معلوم ہوا ہے جرمنی کی یادداشت مصالحانہ نوعیت کی ہے لیکن جرمنی نے رائن لینڈ سے تمام افواج ہٹا لینے کے متعلق اپنے انکار کا اعادہ کیا ہے۔ ایک محدود عرصہ کے لئے جس کی میعاد چار ماہ بیان کی جاتی ہے۔ وہ اس امر پر متفق ہے۔ کہ رائن لینڈ کی افواج میں اضافہ نہ کرے گا۔

لنڈن یکم اپریل- برطانوی کابینہ کا اجلاس بین الاقوامی حالات پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا۔ اس سلسلہ میں فان ربن ٹراپ نے دفتر خارجہ میں مسٹر ایڈن وزیر خارجہ سے ملاقات کی۔

قاہرہ یکم اپریل۔ مصر میں ریلوے کی انتظامیہ کمیٹی کے سامنے دو تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ کہ مدیران جرائد سے کرایہ میں رعایت کی جائے۔ اور اخبارات کے دفاتر میں ٹیلیفون لگانے کا خرچ کم کیا جائے دونوں تجاویز بحث و تمحیص کے بعد منظور کر لی گئی ہیں۔ اب مدیران جرائد سے ریلوے کا ایک چوتھائی کرایہ لیا جائے گا۔

بغداد یکم اپریل۔ معلوم ہوا ہے۔ مصر اور مملکت سعودیہ کو بھی لیگ آف نیشنز کا رکن بنا لیا جائے گا۔ ممالک عربیہ میں اس خبر سے مسرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

نئی دہلی یکم اپریل۔ پنجاب کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے۔ کہ سر سکندر حیات خاں ریزرو بنک کی ڈپٹی گورنری سے استعفےٰ دیدیں گے اور جدید دستور اساسی کے ماتحت پنجاب اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیں گے۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کو معلوم ہوا ہے۔ کہ اس خبر میں صداقت کا شائبہ تک موجود نہیں۔

روما یکم اپریل۔ مارشل بیڈوگلیو نے اعلان کیا ہے۔ کہ جھیل اشنگی کے قریب جنگ میں شہنشاہ حبشہ اور ان کے بہترین فوجی دستوں کو زبردست شکست ہوئی۔ یہ پہلی جنگ ہے۔ جس میں شہنشاہ حبشہ نے بذات خود حصہ لیا۔ اور ان کے مخصوص فوجی دستے جنگ کے لئے نکلے۔ معلوم ہوا ہے فسطائیت جماعت کا ایک موٹر سوار دستہ شہر گندار میں داخل ہوگیا ہے۔

روما یکم اپریل۔ سرکاری طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ اطالوی افواج نے گذشتہ شب گندار پر قبضہ کر لیا ہے۔

پٹنہ یکم اپریل۔ بابو راجندر پرشاد نے ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندہ کو دوران گفتگو میں کہا۔ کہ خان عبدالغفار خاں ماہ ستمبر کو رہا کر دئے جائیں گے۔

لنڈن یکم اپریل۔ مشرقی طاقتوں کے باہمی میثاق میں عراق کی شرکت کے راستہ میں چند مشکلات حائل ہیں۔ ان مشکلات کا اصلی سبب انگلستان اور عراق کا معاہدہ ہے۔ وزیر خارجہ ترکیہ نے قیام لنڈن کے دوران میں برطانوی وزراء کو یہ باور کرانے کی کوشش کی۔ کہ میثاق مشرق برطانیہ کے لئے نقصان رساں نہیں ہوگا۔

انگورہ یکم اپریل۔ گذشتہ ماہ وزارت دفاع ملی نے فوجی اور بحری قوت میں اضافہ کی تجاویز منظور کر دی تھیں۔ معلوم ہوا ہے کہ جمہوریہ ترکیہ نے ۲۶ کروڑ ترکی پونڈ فوجی استحکام پر صرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ موجودہ حالات کے پیش نظر اس میزانیہ میں مزید اضافہ بھی کیا جائیگا۔

نئی دہلی یکم اپریل۔ کل آل انڈیا مسلم پولیٹیکل بورڈ کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں آئندہ انتخابات کے مسئلہ پر غور کیا گیا۔

بمبئی یکم اپریل۔ آج بمبئی کے ٹیکسی ڈرائیوروں نے ہڑتال کر دی۔ جس کی وجہ یہ ہے۔ کہ پولیس کمشنروں نے موٹروں کے کرایوں میں تخفیف کر دی ہے۔ مگر جو ٹیکس انہیں ادا کرنا پڑتا ہے اس میں کمی نہیں کی۔

نئی دہلی یکم اپریل۔ کل کونسل آف سٹیٹ میں فنانس بل پر تقریر کرتے ہوئے مسٹر شانتی داس نے کہا۔ کہ برطانیہ۔ جاپان اور ہندوستان کے درمیان ایک مشترکہ تجارتی معاہدہ کیا جائے۔

امرتسر یکم اپریل۔ ہندو مسلم فساد کے سلسلہ میں آج ہندوؤں نے تین ہندوؤں کی گرفتاری کی بنا پر ہڑتال کر دی ہے۔ فساد میں چھ سات آدمی زخمی ہوئے۔ جن میں سے ایک ہیڈ کنسٹیبل بھی ہے۔ ہر چوک میں پولیس کی گارد متعین ہوئی ہے گھوڑ سوار پولیس بازاروں کا گشت لگا رہی ہے۔

لاہور یکم اپریل۔ قانون تحفظ مقروضین ۳۰ مارچ کو پاس ہوگیا۔ اس کی موٹی موٹی باتیں یہ ہیں۔ کہ متاجری کی میعاد آئندہ دیوانی عدالت کی جگہ ڈپٹی کمشنر تجویز کیا کریں گے ڈپٹی کمشنر کے لئے لازم ہوگا۔ کہ وہ زمیندار کی زمین متاجری پر دیتے وقت اس کے کنبے کے گذارہ کے لئے کافی زمین چھوڑے۔ اصل مقروض کے فوت ہو جانے پر اس کے بیٹے پوتے قرضہ کے بدلے جدی زمین قرق نہیں ہو سکے گی۔ گنے اور کپاس کی فصل کو چھوڑ کر اور کوئی کھڑی فصل قرق نہیں ہوگی۔ آئندہ اجرائے ڈگری کی میعاد بارہ سال کی بجائے صرف چھ سال ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

کٹک یکم اپریل۔ آج سر جان ہیوبک نے باقاعدہ طور پر نئے صوبہ اڑیسہ کی گورنرشپ کا چارج لے لیا۔ چیف سکرٹری صوبہ نے سرکاری اعلان پڑھا جس کی رو سے صوبہ کو علیحدہ کیا گیا ہے۔ اور سر جان ہیوبک کو پہلا گورنر بنایا گیا ہے۔ چیف جسٹس پٹنہ ہائیکورٹ کے سامنے گورنر نے حلف وفاداری لیا۔

لنڈن ۲ اپریل۔ آج ہندوستان کے جدید وائسرائے لارڈ لنلتھگو پرسنل سٹاف کی معیت میں عازم ہندوستان ہوگئے۔ امید کی جاتی ہے کہ آپ ۱۸ اپریل کو دہلی پہنچیں گے

کوئٹہ یکم اپریل۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کوئٹہ کے ایک فوجی ملازم نے اپنی رجمنٹ کے حوالدار کو گولی سے اڑا دیا۔ اور اس کے بعد اسی رائفل سے خودکشی کر لی۔ ابھی تک اس واقعہ کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی۔

الہ آباد یکم اپریل۔ معلوم ہوا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنا خطبہ صدارت تیار کر لیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ اس میں انہوں نے ہندوستان کی موجودہ سیاسی صورت حالات پر نہایت آزادانہ اور بیباکانہ تبصرہ کیا ہے۔ فرقہ وارانہ فیصلہ پر بھی تبصرہ کیا ہے آپ اس کے خلاف ہیں لیکن کانگریسیوں کی طرح اس کو بے فائدہ اور غیر جانبدارانہ طور پر نہیں چھوڑ دینا چاہئے۔ بلکہ اس کے متعلق کوئی نہ کوئی قطعی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔

ڈیرہ دون یکم اپریل۔ آج ڈیرہ دون میں سات بجکر ۵۹ منٹ پر آلہ زلزلہ نما نے زلزلہ کی شدید لہر محسوس کی۔ جس کا اثر تین ہزار نو سو میل تک بتایا جاتا ہے۔

لنڈن یکم اپریل۔ آج لارڈ لنلتھگو کے اعزاز میں سر جان وارڈلا ملن کی طرف سے الوداعی ٹی پارٹی دی گئی۔ اس موقعہ پر لارڈ لنلتھگو نے دارالعوام کے چالیس ایسے ارکان سے ملاقات کر کے تبادلہ خیالات کیا جو ہندوستانی معاملات میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

کراچی یکم اپریل۔ آج ۸۹ سال کے بعد صوبہ سندھ کی علیحدگی کا افتتاح بڑی دھوم دھام

الحمد للہ کتاب
محامد خاتم النبیین
شائع ہو گئی ہے

جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشان کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کا ۳۰۰ صفحات کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ولایتی کاغذ پر بہترین لکھائی اور چھپائی کے ساتھ عام کتابی سائز یعنی ۲۰×۲۶/۸ سائز پر شائع ہوئی ہے۔ قیمت بے جلد صرف ایک روپیہ۔ جلد کی قیمت مطابق قسم جلد ۴ر ۶ر اور ۸ر۔

اس کے علاوہ اس وقت رسالہ درود شریف جو ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے [illegible] صرف ۱۲ر کو اور

رسالہ تبدیلی عقائد مولوی محمد علی صاحب جو جناب انکے جواب میں لکھا گیا ہے ۲۰ صفحات صرف ۵ر کو اور مجلد ۶ر کو

نقشہ آبادی قادیان کاغذ قسم اعلیٰ ۱۲ر قسم دوم ۸ر کو اور قسم سوم ۶ر کو

ایشیائی کتب خانہ۔ کتاب گھر۔ احمدیہ بک ڈپو اور دیگر تمام تاجران کتب قادیان سے مل سکتا ہے۔

محمد احمد و عبد الکریم پسران مولوی محمد اسمٰعیل صاحب

(قادیان)

بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام ہو گیا

مکرمی مولوی محمد شریف صاحب مولوی فاضل نے اسلام کی پہلی دوسری تیسری اور چوتھی کتاب لکھکر اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے جس کا مدت سے احساس تھا۔ چنانچہ مولانا شیر علی صاحب سابق ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول حال ناظر تالیف وتصنیف فرماتے ہیں۔ کہ یہ سلسلہ بچوں کی دینی اور مذہبی واقفیت کے لئے بہت مفید ہے۔

اور حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب سابق ہیڈ ماسٹر ٹی۔ آئی۔ ہائی سکول قادیان حال پرائیویٹ سیکرٹری حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ نے رائے دی ہے۔ کہ اس کے مضامین بچوں کے لئے بہت مفید اور ضروری وقابل قدر ہیں۔ اسلامی سکولوں میں ان کا رواج دینے کی کوشش کی جائے۔

جناب شیخ عبد الرحمٰن صاحب مصری مولوی فاضل بی۔ اے ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ کہتے ہیں کہ نہ صرف بچوں کے لئے بلکہ بڑوں کے لئے بھی مفید ہے۔ خود بھی پڑھیں اور بچوں کو بھی پڑھائیں۔

جناب چودھری غلام محمد صاحب بی۔ اے علیگ ہیڈ ماسٹر نصرت گرلز ہائی سکول قادیان فرماتے ہیں۔ کہ میرے خیال میں مسلمان عورتوں کے لئے یہ بہت مفید ہیں۔

جناب حافظ غلام رسول صاحب بی۔ اے سابق ہیڈ ماسٹر نصرت گرلز ہائی سکول قادیان حال انچارج دینیات ٹی۔ آئی۔ ہائی سکول قادیان رقمطراز ہیں۔ کہ نہایت مفید ذخیرہ معلومات ہے تمام لوگ اس سے استفادہ کریں۔

ان پانچوں تجربہ کار فضلاء کی آراء کے احترام میں ہر بال بچے دار کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ یہ کتابیں جو منظور شدہ نظارت تالیف وتصنیف ہیں منگوا کر خود فائدہ اٹھائیں۔ اور اپنے بچوں کو پڑھائیں۔ قیمت فی سٹ چودہ آنے محصول ڈاک علاوہ۔

ملنے کا پتہ:۔ **محمد عنایت اللہ تاجر کتب قادیان ضلع گورداسپور پنجاب**

(عبد الرحمٰن قادیانی پرنٹر وپبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا یا اور قادیان سے ہی شائع کیا) ایڈیٹر غلام نبی